حاتم طائی افریقہ میں



چھٹا حصّہ

حاتم طائی افریقہ میں

بچّوں کے لیے ناول

اے۔ حمید



فیروز سنز لمیٹڈ

لاہور۔ راولپنڈی۔ کراچی

غیر مجلد: 1 00265 0 969

ترمیم شدہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۲۰۱۱ء

فیروزسنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

ہیڈ آفس و شوروم: 60۔ شاہراہ قائداعظم، لاہور۔

راولپنڈی آفس: 277۔ پشاور روڈ، راولپنڈی۔

کراچی آفس: فرسٹ فلور، مہران ہائٹس، مین کلفٹن روڈ، کراچی۔

حاتم طائی افریقہ میں	Hatam Tai Africa Mein
اے۔ حمید	A. Hameed

مطبوعہ فیروزسنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور۔ باہتمام ظہیر سلام پرنٹر و پبلشر

email:support@ferozsons.com.pk

www.ferozsons.com.pk

آخری چیخ

شام گہری ہو رہی تھی۔
پیالہ نما قدیم شہر کے کھنڈروں میں سکوت تھا۔
بارہ دری کی ریت پر ایک اِنسانی سر حاتم کے سامنے پڑا تھا۔ وہ آگے بڑھا۔ سر نے اپنی جگہ سے حرکت کی۔ حاتم رُک گیا۔ سر بھی رُک گیا۔ یہ کسی جوان انسان کا سر تھا، جس کے گھنگریالے سیاہ بالوں میں ریت اٹی ہوئی تھی۔ حاتم نے دیکھا کہ جہاں سر پڑا تھا وہاں سے ریت نے ہلنا شروع کیا، جیسے پانی کھولتا ہے۔ ریت کا بھنور سا پڑنے لگا اور سر آہستہ آہستہ ریت کے اندر غائب ہو گیا۔
حاتم پہلے تو ڈرا، پھر اس نے حوصلہ کیا اور جہاں سر غائب ہُوا تھا، وہاں سے ریت کھودنے لگا۔ اس نے کافی ریت کھود ڈالی، مگر نیچے سوائے ریت کے اور کچھ نہ تھا۔ اس نے سوچا کہ سر کہاں غائب ہو گیا!

وہ بارہ دری میں کھڑا تھا اور رات کے سائے کھنڈروں میں اُترنے لگے تھے۔ اُسے وہ چیخ بھی پھر سنائی نہ دی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ واپس گاؤں چلا جائے۔

وہ کھنڈروں سے نکل کر ریت کے ٹیلے پر چڑھا تو یُوں ہی مُڑ کر پیچھے دیکھا۔ اُجڑے شہر میں ایک جگہ روشنی ٹمٹماتی دکھائی دی۔ وہ روشنی کی طرف بڑھا کہ اُس کا کھوج لگائے۔ قریب پہنچا تو روشنی غائب ہو گئی! یا الٰہی! یہ کیا اسرار ہے! حاتم نے سوچا۔ مگر وہ بات کی تہہ تک پہنچنا چاہتا تھا۔ وہ اس جگہ آیا جہاں روشنی ہو رہی تھی۔ اب یہاں کچھ بھی نہ تھا۔ ایک پُرانی پتھریلی دیوار تھی، جس پر ایک آدمی کی تصویر کھُدی ہُوئی تھی۔ اس تصویر میں ایک آدمی گھوڑے پر بیٹھا تھا اور اُس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔

حاتم پتّھر پر اُبھری ہُوئی اس تصویر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ اندھیرے میں آدمی کے نقش صاف دکھائی دے رہے تھے۔ اچانک حاتم کا ہاتھ لکڑی کی ایک میخ سے ٹکرایا۔ اس نے میخ کو اپنی طرف کھینچا تو وہ اُوپر اُٹھ آئی۔ میخ کے اُوپر اُٹھتے ہی پتّھر کی دیوار اپنی جگہ سے آہستہ آہستہ کھسکنے لگی۔ حاتم پیچھے ہٹ گیا۔ دیوار رُک گئی۔ وہاں ایک غار ظاہر ہو گیا تھا، جس کے اندر اندھیرا تھا۔ حاتم

نے اللہ کا نام لیا اور غار میں اُتر گیا۔ اندر ٹھنڈ تھی۔ حاتم غار کے اندر گیا تو دیوار واپس اپنی جگہ پر آ گئی۔ حاتم غار میں بند ہو گیا۔ وہ اندھیرے میں آگے بڑھا۔ غار آگے جا کر چوڑا ہونے لگا۔ پھر ایک نیچی چھت والا کمرا آ گیا، جس کے ستون فرش سے چھت تک چلے گئے تھے۔ ہر ستون پر پتّھر کی مُورتی بنی ہوئی تھی۔

یہاں اندھیرا تھا، لیکن کسی پُراسرار نیلی روشنی کی وجہ سے ہر شے حاتم کو صاف دکھائی دے رہی تھی۔ وہ آخری ستُون کے پاس آ کر رُک گیا۔ سامنے ایک چھوٹا سا دروازہ تھا، جس کا ایک پٹ کُھلا تھا۔ حاتم اس میں داخل ہونے لگا تو اندر سے کسی کے قدموں کی آہٹ سُنائی دی۔ وہ جلدی سے ایک ستُون کی اوٹ میں ہو گیا۔

چند سیکنڈ بعد دروازے میں سے ایک عورت باہر نکلی۔ اُس کے بال شانوں پر بکھرے ہوُئے اور دونوں ہاتھ سینے پر بندھے ہوُئے تھے۔ آنکھیں بند تھیں۔ کمر میں ننگی تلوار لٹک رہی تھی۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک بھاری بھرکم لمبا سا بھُوت جیسا انسان چلا آ رہا تھا۔ وہ بھُوت دروازے میں

ہی رُک گیا اور اُس نے غرّائی ہوئی آواز میں عورت سے کہا:
"اگر آج مجھے شکار نہ ملا تو میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

پھر وہ انسانی بھوت غرّاتا ہُوا واپس اندر چلا گیا۔ اُس کے جاتے ہی پتّھر کے دروازے کا پٹ اپنے آپ بند ہو گیا۔ حاتم ستوُن کی اوٹ سے نکل کر کھُلے بالوں والی عورت کے پیچھے چل پڑا۔

عورت غار کے دروازے پر پہنچ کر رُک گئی۔ اُس نے دیوار پر اُبھری ہُوئی مینخ کو کھینچا۔ دیوار نے راستہ دے دیا۔ وہ غار سے باہر نکل گئی۔ حاتم بھی اس کے پیچھے پیچھے باہر نکل آیا۔ چاند نکل آیا تھا اور کھنڈروں میں ہلکی ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ عورت بارہ دری کے پاس جا کر ٹھہر گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر زور سے چیخ ماری۔ یہ وہی چیخ تھی جو دجلہ پار کے گاؤں والوں کو آدھی رات کو سنائی دیتی تھی۔

حاتم کو یقین تھا کہ ابھی کوئی قسمت کا مارا گاؤں سے نکل کر اس عورت کی طرف بڑھے گا۔ وہ تلوار سے اس کا سر کاٹ کر پھینک دے گی اور دھڑ انسانی بھوت کے لیے غار کے اندر لے جائے گی۔ حاتم نے سوچا اس سے

پہلے کہ کوئی شخص اس کے پھندے میں پھنسے، کچھ کرنا چاہیے۔
وہ چاندنی رات میں اس کھلے بالوں والی چڑیل کے سامنے آ گیا!

عورت کی آنکھوں میں ایک زبردست چمک تھی جس نے حاتم کی آنکھوں کو ایک سیکنڈ کے لیے چکا چوند کر دیا۔ لیکن وہ بہت جلد سنبھل گیا۔ عورت نے پہلے تو حاتم کو ڈرانے کے لیے ایک بھیانک چیخ ماری اور پھر بازو پھیلا کر آگے بڑھی۔ حاتم اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ عورت چڑیل نہیں، انسان ہے اور اس پر کسی نے جادو کر رکھا ہے۔

حاتم نے اس عورت کی گردن دبوچ کر ایک جھٹکا دیا تو وہ نیچے گر پڑی۔ حاتم نے لپک کر اس کے ہاتھ سے تلوار چھین لی اور کہا:

"اگر تم نے یہ نہ بتایا کہ تم کون ہو تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

عورت نے ہاتھ جوڑ کر کہا "مجھے نہ مارو، میں مجبور ہوں۔ ایک جادوگر نے مجھ پر جادو کر رکھا ہے۔ وہ ہر رات مجھے گاؤں بھیجتا ہے کہ میں ایک انسان اس کے لیے شکار کر کے لاؤں۔"

حاتم نے عورت کو اُٹھایا اور پُوچھا "کیا وہ جادُوگر اس غار میں رہتا ہے؟"

"ہاں۔ وہ بڑا طاقتور ہے۔ افریقہ کا کالا علم اسے زبانی یاد ہے۔ وہ کالا علم پڑھ کر پھُونک مارتا ہے اور انسان کو پتّھر بنا دیتا ہے۔"

حاتم نے کہا "تم پر اس نے کس قسم کا جادُو کر رکھا ہے؟"

عورت بولی "میں اس کے قابُو میں آ چکی ہُوں۔ وہ جو حکم کرتا ہے، مجھے ماننا پڑتا ہے۔ اس کے جادُو کی وجہ سے میری آنکھوں اور آواز میں ایسا اثر آ گیا ہے کہ جو کوئی مجھے دیکھتا ہے یا میری آواز سُنتا ہے، اپنے آپ میری طرف کھِنچنے لگتا ہے۔"

حاتم نے کہا "تم فکر نہ کرو۔ میں تمہارے اس جادُوگر ہی کو ختم کرنے آیا ہوں۔ مگر یہ بتاؤ کہ بارہ دری میں جو انسانی سر پڑا تھا وہ اپنے آپ ریت کے اندر کیسے دھنس گیا؟"

عورت بولی "اس سارے علاقے پر جادُوگر کے کالے علم کا اثر ہے۔ میں حیران ہوں کہ تم یہاں کیسے آ گئے اور اب تک جادوگر کو تمہارے آنے کی خبر کیوں نہیں ہُوئی۔

بارہ دری میں جو سر گرتا ہے، ریت اسے اپنے آپ اندر کھینچ کر ذرّوں میں تبدیل کر دیتی ہے۔"

حاتم بڑے غور سے عورت کی باتیں سُن رہا تھا۔ عورت نے حاتم سے پُوچھا "تم کون ہو اور یہاں کیسے آ گئے؟"

حاتم نے کہا "میرا نام حاتم ہے۔ میں اپنے بارے میں تمہیں صرف اتنا ہی بتا سکتا ہوں کہ مجھ پر تمہارے جادُوگر کے کالے عِلم کا کُچھ اثر نہیں ہو سکتا۔"

عورت نے حیرانی سے حاتم کو دیکھا اور بولی:

"کیا تم افریقہ کے سب سے بڑے جادُوگر ہو؟ کیا تم جادُوگر سامری سے بھی بڑے ہو؟"

حاتم نے جواب دیا "ہاں، میں افریقہ کے سب جادُوگروں سے بڑا ہُوں۔ تمہارا سامری جادُوگر بھی میرا مُقابلہ نہیں کر سکتا۔ مجھے بتاؤ کہ تمہیں اس جادُوگر کے جادُو سے کیسے نجات ملے گی؟ میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

عورت نے کہا "اے حاتم، میں ایک بدنصیب عورت ہُوں۔ میرے ہاتھ بے گناہوں کے خُون سے رنگے ہُوئے ہیں۔ اب میرا زندہ رہنا یا نہ رہنا برابر ہے۔"

حاتم نے کہا "جیسے تمہاری مرضی۔ لیکن میں گاؤں والوں

کو اس جادوگر کی آفت سے نجات دلانے آیا ہوں۔"
عورت حاتم کے آگے کھڑی ہو گئی:
"نہیں۔ یہ خیال دل سے نکال دو۔ وہ جادوگر تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ وہ بہت طاقتور ہے۔"
حاتم نے جواب دیا "طاقتور صرف اللہ کی ذات ہے۔ میں جادوگر کا مقابلہ کروں گا۔ تم میرے راستے میں آئیں تو تمہیں بھی میرا مقابلہ کرنا ہوگا۔ اور یاد رکھو! تم ہار جاؤگی اور زندہ نہ بچوگی۔"
عورت جلدی سے پرے ہٹ گئی۔ اس نے حاتم کو راستہ دے دیا۔
حاتم غار کی طرف بڑھا تو پیچھے سے ایک انسان کی آواز آئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ گاؤں کا ایک آدمی آہ و زاری کرتا چلا آ رہا تھا۔ یہ اس عورت کی چیخ کی آواز پہ اِدھر آیا تھا۔
حاتم نے عورت سے کہا "خبردار! اس آدمی کی طرف قدم مت بڑھانا۔" عورت کی آنکھوں میں ایک خطرناک چمک پیدا ہو گئی تھی۔ حاتم لپک کر آنے والے آدمی کی طرف بڑھا۔ اس پر جیسے کسی نے جادو کر رکھا تھا۔ حاتم نے اس کے منہ پر ایک زور دار تھپڑ مارا تو اُسے جیسے

ایک دم ہوش آ گیا۔ حاتم نے کہا:
"واپس گاؤں چلا جا اور پھر اس طرف کا رُخ نہ کرنا۔"
اُس آدمی نے حاتم کے پیچھے ایک چڑیل نما عورت کھڑی دیکھی تو ڈر کر ایسا بھاگا کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ حاتم نے پلٹ کر عورت سے کہا:
"اب یہ موت کا شیطانی کھیل ختم ہو جائے گا۔ چلو، میرے ساتھ۔"
عورت حاتم کے آگے آگے غار کی طرف چل دی۔ غار کا دروازہ بند تھا۔ عورت نے مینخ باہر کھینچی۔ دروازہ کھل گیا۔ حاتم عورت کو ساتھ لے کر غار میں داخل ہو گیا۔ غار کے اندر چھوٹی کوٹھڑی والے دروازے کے سامنے جا کر عورت رُک گئی اور بولی:
"حاتم، یہاں سے آگے میں نہیں جا سکتی۔ جادوگر اپنا شکار نہ پا کر مجھے ہلاک کر ڈالے گا۔"
حاتم نے کہا "تم اسی جگہ ٹھہرو اور تماشا دیکھو۔"
یہ کہہ کر اس نے دروازے کی مینخ کو باہر کھینچا تو ایک ڈراؤنی آواز بلند ہوئی۔ پھر دروازہ کھل گیا اور وہی بھوت نما جادوگر ہاتھ میں بڑا سا گرز لیے باہر نکلا۔ اس نے اپنے سامنے ایک انسان کو دیکھا تو خوش ہو کر بولا:

"میرا شکار آ گیا! میرا شکار آ گیا! مگر یہ زندہ کیوں ہے؟ اس کا سر کیوں نہیں اُتارا گیا؟"

حاتم نے جواب دیا" اس لیے کہ آج میں تمہارا سر اُتارنے آیا ہُوں۔"

یہ سُننا تھا کہ جادُوگر کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اُس کے مُنہ سے آگ کا ایک شُعلہ نکلا اور حاتم کے پُورے جسم کو اس شعلے نے اپنی لپیٹ میں لے لیا مگر آگ حاتم کا کچھ نہ بگاڑ سکی، اور بجھ گئی۔

جادُوگر نے اپنا جادُو بے اثر جاتے دیکھا تو ایک ہاتھ آگے کیا۔ ایک گُرز اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ جادُوگر نے حاتم پر گُرز سے حملہ کر دیا۔ حاتم بھی غافل نہ تھا۔ اس نے زمین سے اُچھل کر گُرز کو فضا میں ہی قابُو میں کر لیا اور اسے جادُوگر کے ہاتھ سے کھینچ کر اُلٹا اس کے سر پر دے مارا۔ گُرز کی چوٹ ایسی سخت تھی کہ جادُوگر کی کھوپڑی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔

اس کے ساتھ ہی فضا میں چیخ پُکار مچ گئی۔ درودیوار ہِل گئے۔ زمین پر بھونچال آ گیا۔ دھوئیں کا ایک بادل اُٹھا جس میں سب کچھ چھُپ گیا۔ حاتم غار سے نکل کر باہر کو بھاگا۔ بارہ دری میں آ کر دیکھا کہ وہاں نہ وہ

عورت ہے اور نہ بارہ دری کی چھت! سب کچھ غائب ہو چکا ہے!

اب وہ کھنڈروں میں سے نکل کر دریا پر آ گیا۔ رات ڈھلنے لگی تھی۔ دریا بڑی خاموشی سے بہہ رہا تھا۔ حاتم نے اینٹوں کے پُل پر سے دریا پار کیا اور بستی میں آ گیا۔ چیخ پکار کی آوازوں اور زمین کے ہلنے سے بستی کے لوگ جاگ پڑے تھے۔ وہ حاتم کے گرد جمع ہو گئے۔ حاتم نے کہا:

"میں نے اُس بلا کو ختم کر دیا ہے جو تمہارے آدمیوں کو بُلا کر غائب کر دیتی تھی۔ اب تم اطمینان سے زندگی بسر کرو۔ اس بلا کی آواز پھر کبھی نہیں آئے گی۔"

باقی رات حاتم نے اس بستی میں بسر کی۔ صبح ہوئی تو وہ بغداد میں آ گیا۔ یہاں اس نے اپنی لبنان والی بہن کریمہ کے بھائی سے ملاقات کی اور اسے پہاڑی بلا کے ہلاک ہونے کی خوش خبری سنائی۔ اس کی اطلاع کسی طرح سرکاری افسروں کو بھی ہو گئی تھی۔ پہلے تو انہیں یقین نہ آیا کہ حاتم نے اس بلا کا خاتمہ کر دیا ہے جس کو اُن کے مُلک کی فوج بھی مل کر ہلاک نہیں کر سکی تھی مگر جب ایک ہفتہ گزر گیا اور رات کو پہاڑی

کی جانب سے کوئی آواز نہ آئی تو اُنھیں یقین ہو گیا۔ بغداد کے میئر نے حاتم کو مُبارک باد دی اور حکومت کی طرف سے اُسے انعام دینا چاہا۔ حاتم نے کہا:

"میں نے یہ کام کسی انعام کے لالچ سے نہیں بلکہ انسانوں کی خدمت کے لیے کیا ہے۔ یہ انعام میری طرف سے اس بستی کے لوگوں میں بانٹ دیں جن پر بلا نازل ہوئی تھی۔"

میئر نے حاتم کے اس جذبے کی بڑی تعریف کی اور اسے سرکاری مہمان کی حیثیت سے بغداد کی سیر کرنے کی دعوت دی۔ حاتم تو پہلے ہی سیر و سیاحت کا شوقین تھا۔ وہ بغداد میں رُک گیا۔ اس کا ریسٹ ہاؤس شہر کے باہر انجیر اور انگور کے ایک باغ کے پاس تھا۔ یہاں ایک چشمہ بھی بہتا تھا۔

رات کو حاتم نئے بغداد کی سیر کرتا اور دن کو پُرانے شہر کی سیر کو نکل جاتا۔

ایک روز کا ذکر ہے، وہ پُرانے بغداد کی ایک گلی میں سے گزر رہا تھا۔ یہاں حویلیوں کی ڈیوڑھیوں میں خاموشی اور ہلکا ہلکا اندھیرا تھا۔ ایک جگہ حاتم نے چھوٹا سا بورڈ لگا دیکھا، جس پر عربی میں لکھا تھا:

"یہاں قدیم مصر کی ممیاں فروخت ہوتی ہیں"

حاتم کو یہ بورڈ بڑا دلچسپ لگا۔ اس کے دل میں شوق پیدا ہُوا کہ اندر چل کر قدیم مصر کی ممیاں دیکھی جائیں۔ بغداد اور مصر کے عجائب گھروں کی ممیاں تو وہ بہت دیکھ چُکا تھا۔ وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس حویلی میں جو آدمی قدیم مصر کی ممیاں فروخت کرتا ہے وہ ممیاں کہاں سے لاتا ہے۔ وہ ابھی حویلی کے دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اس نے ایک آدمی کو دروازے کی طرف بڑھتے دیکھا۔ وہ پیچھے ہو گیا۔ اس آدمی نے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ ایک حبشی ملازم نے کھولا اور مہمان کو اندر لے گیا۔ حبشی کے چہرے پر عجب قسم کی پُراسراریت تھی۔ حاتم کچھ دیر گلی میں دیوار کے پاس کھڑا رہا۔ پھر وہ بھی دروازے کی طرف بڑھا۔ اتفاق کی بات، حبشی دروازے کو بند کرنا بھول گیا تھا۔

حاتم حویلی میں داخل ہو گیا۔ اندر اندھیرا تھا۔ وہ اندازے سے آگے چلتا گیا۔ پھر اُسے دُھندلی سی روشنی دکھائی دی۔ اس نے دیکھا کہ وہی آدمی جو اس سے پہلے حویلی میں داخل ہُوا تھا، کمرے میں ایک ممی کے

تابُوت کے پاس کھڑا ہے ۔ حبشی مُلازم اور اس کا آقا مہمان کو تابُوت کھول کر ممی دکھا رہے تھے۔ آقا کہ رہا تھا:

"جناب یہ ممی چار ہزار سال پُرانی ہے، اور چوتھے فرعون کی بیوی کی ہے۔"

وہ یہ کہ ہی رہا تھا کہ حبشی نے پیچھے سے آ کر اس آدمی کے سر پر اِتنے زور سے ڈنڈا مارا کہ وہ بے ہوش ہو کر فرش پر گر پڑا۔ آقا نے حبشی سے کہا:

"اس کو فوراً مسالے کے ٹب میں جا کر ڈال دو، تاکہ پرسوں تک اس کی ممی تیار ہو سکے۔ ہمیں زیادہ سے زیادہ ممیوں کی ضرورت ہے۔ لندن سے بھی پندرہ ممیاں سپلائی کرنے کا آرڈر آیا ہے۔"

حاتم یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اُسے بے حد افسوس ہُوا کہ وہ اس آدمی کی جان نہیں بچا سکا۔ کاش وہ عین وقت پر چھلانگ لگا کر حبشی کو دبوچ لیتا۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ وقت گزر چُکا تھا۔ جو ہونا تھا ہو چُکا تھا۔ اب وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ چپکے سے حویلی سے نکل کر باہر گلی میں آ گیا۔

یہاں آ کر اس نے دوبارہ دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد حویلی کا دروازہ کھلا اور وہی حبشی سامنے آ کر آہستہ سے بولا:

"تشریف لائیے، جناب۔"

حاتم خاموشی سے حبشی کے پیچھے پیچھے حویلی میں داخل ہوا۔ حبشی اُسے اُس کمرے میں لے گیا جہاں اُس نے ابھی تھوڑی دیر پہلے ایک بے گناہ انسان کا خون ہوتے دیکھا تھا۔

اِتنے میں حبشی کا آقا نمودار ہوا۔ وہ مکّاری سے مُسکراتا ہُوا حاتم کی طرف آیا اور ہاتھ بڑھا کر بولا:

"تشریف لائیے، یا اخی۔ تشریف لائیے۔"

حاتم نے کہا "میں اپنے عجائب گھر کے لیے ایک ممی خریدنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ مجھے کوئی سستی ممی دکھا سکتے ہیں؟"

"میرے ہاں ہر سائز اور ہر قیمت کی ممی آپ کو مل جائے گی۔ تشریف لائیے۔"

وہ حاتم کو لے کر کمرے کے کونے میں گیا۔ یہاں ایک تابُوت پڑا تھا۔ اس نے کہا:

"جناب یہ تابوت تین ہزار سال پُرانی ممی کا ہے۔ آپ کو یہ ممی اس لیے سستی دے دوں گا کیونکہ یہ فرعونِ مصر کے چچا کی کنیز کی ہے۔ یہ دیکھیے۔"

اُس نے تابوت کا ڈھکنا اُٹھا دیا۔ تابوت کے اندر ایک عورت کی ممی پڑی تھی۔ اس کا سارا جسم سفید پٹیوں میں لپٹا ہُوا تھا۔ صرف مُنہ کُھلا تھا۔ چہرہ کسی سانولی سی لڑکی کا تھا۔ نقش تیکھے تھے۔ خدا جانے یہ بے چاری بغداد کے کس بدقسمت باپ کی بیٹی تھی، جس کو اس ظالم نے ممی بنا کر تابوت میں ڈال دیا تھا۔ حاتم نے دیکھا کہ وہی کالا حبشی ایک جانب سے نکل کر اُس کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا ہے۔ گویا اس پر حملے کی تیاری مکمل ہو چکی تھی!

حاتم اپنی جگہ پر خاموش کھڑا ممی کو دیکھتا رہا۔ دُکان دار اُس کو ممی کے بارے میں بتا رہا تھا:

"تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ کنیز ذہانت میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھی۔ اسے ستاروں کا حساب کتاب آتا تھا۔ پُرانی مصری زبان میں شعر بھی کہتی تھی۔"

اچانک حبشی نے ڈنڈے سے حاتم پر حملہ کر دیا۔ اس نے پوری طاقت سے حاتم کے سر پر ڈنڈا مارا تھا، مگر چونکہ حاتم سے موت ابھی بہت دُور تھی اور وہ کچھ وقت کے لیے ابھی مر نہیں سکتا تھا، اس لیے ڈنڈے کی چوٹ کا اس پر کوئی اثر نہ ہُوا۔ حبشی نے پہلا وار خالی جاتے دیکھا تو دوسرا وار کیا۔ حاتم نے پیچھے مُڑ کر حبشی کے ہاتھ سے ڈنڈا چھین لیا اور اس کو کھینچ کر فرش پر گرا دیا۔ پھر اس کی گردن پر پاؤں رکھ کر ایک ایسا جھٹکا دیا کہ اس کا دم نکل گیا۔ اُس کے آقا نے یہ دیکھا تو جیب سے پستول نکال کر فائر کر دیا۔ گولی حاتم کی گردن میں سے نکل گئی، مگر اس کی گردن کا سُوراخ گولی کے نکلتے ہی اپنے آپ بند ہو گیا اور خُون کا ایک قطرہ بھی نہ بہا۔

حاتم بولا "تم دیکھ چکے ہو کہ مجھ پر کسی ہتھیار کا اثر نہیں ہوتا۔ تمھارا بھانڈا پھُوٹ چُکا ہے۔ تُم ایک کمینے قاتل ہو۔ تُم نے بڑے قتل کیے ہیں۔ مَیں تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اب تُم مرنے کے لیے تیّار ہو جاؤ۔"

وہ آدمی دُوسرے کمرے کی طرف بھاگا تو حاتم نے اُچھل کر اُسے پکڑ لیا اور اُس کی گردن میں رسّی ڈال کر کہا:

"مجھے وہ جگہ بتاؤ جہاں تم بے گُناہ لوگوں کو قتل کرکے اُن کی لاشیں مسالے کے ٹب میں ڈالا کرتے ہو۔"

اُس نے گِڑگڑا کر کہا "اے بھائی! مجھے مُعاف کر دو۔ اب میں کبھی کسی کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔"

حاتم نے کہا "اچھا، مَیں تمھیں معاف کرتا ہُوں، لیکن ایک شرط پر۔ اور وہ شرط یہ ہے کہ مجھے وہ ٹب دکھا دو جس کے اندر تم لاشیں ڈالا کرتے ہو۔"

وہ شخص حاتم کو ساتھ والی کوٹھڑی میں لے گیا۔ یہاں بڑی تیز بُو پھیلی ہُوئی تھی۔ چھت میں ایک دِھیما بلب روشن تھا۔ کمرے میں ایک بُہت بڑا ٹب رکھا ہُوا تھا۔ اس میں نسواری رنگ کے مختلف تیزاب آہستہ آہستہ اُبل رہے تھے اور ہلکے ہلکے بُلبُلے پیدا ہو کر پھٹ رہے تھے۔ حاتم نے پُوچھا:

"اِس ٹب میں کیا ہے؟"

"تیزاب ہیں جو لاش کے جسم پر سے سارا گوشت ایک سیکنڈ میں اُتار دیتے ہیں۔"
حاتم نے کہا "لیکن تمھاری بنائی ہوئی انسانی ممیوں کے مُنھ تو بالکل ٹھیک ہیں۔ اِس کی کیا وجہ ہے؟"
"ہم لاش کے مُنھ پر ایک خاص سلوشن کی مالش کر دیتے ہیں، جس سے اُس کے چہرے کا گوشت محفوظ رہتا ہے۔"
حاتم نے کہا "مگر میں تمھارے مُنھ پر وہ سلوشن نہیں ملوں گا۔"
"کیا؟" اُس نے کانپتی آواز میں کہا۔
حاتم بولا "آج تم سے وُہی سلوک کیا جائے گا، جو تم دُوسروں کے ساتھ کرتے رہے ہو۔ تم کو اپنے گناہوں کی سزا ملے گی۔ تم اس کنویں میں گرائے جاؤ گے، جس میں تم دُوسروں کو گرایا کرتے تھے۔ اب اپنے کیے کی سزا پانے کے لیے تیّار ہو جاؤ۔"
اس شخص نے بھاگنے کی کوشش کی، مگر حاتم نے اُسے چُوہے کی طرح دبوچ لیا۔ پھر اسے دونوں

ہاتھوں سے اُٹھا کر ٹب میں پھینک دیا۔ ایک چیخ بُلند ہُوئی۔ یہ اُس کی آخری چیخ تھی۔ تیزاب نے اُس کے جسم کا سارا گوشت ایک منٹ کے اندر اندر گلا دیا۔ اب تیزاب میں اُس کی ہڈیوں کا پنجر پڑا تھا۔ حاتم پہلے کمرے میں گیا اور وہاں سے حبشی کی لاش لا کر ٹب میں ڈال دی۔ وہ بھی ایک منٹ بعد ہڈیوں کا پنجر بن چکی تھی۔

اِس کام سے فارغ ہو کر حاتم کنیز کے تابُوت کے قریب سے گزرا تو اچانک اس نے محسوس کیا کہ ممی نے اپنا وہ ہاتھ جو اس کے سینے پر رکھا ہُوا تھا، تھوڑا سا اُوپر اُٹھایا ہے۔ حاتم تابُوت کے پاس رُک گیا۔ بلب کی کمزور روشنی میں ممی کے سانولے چہرے پر سُرخی سی جھلک اُٹھی۔ پھر اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ حاتم اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ ممی کی آنکھوں میں بے بسی تھی۔

حاتم نے پُوچھا "کیا تُم بات کر سکتی ہو؟"

ممی نے اپنے ہونٹ کھولے اور اُس کے حلق سے ہلکی سی آواز نکلی "میرا نام شارجہ ہے۔ میں افریقہ کے ایک مُلک کینیا کے دارُالحکومت نیروبی سے اپنے

ماں باپ کے ساتھ بغداد آئی تھی۔ اس آدمی نے مجھے دھوکے سے بُلا کر ہلاک کر دیا۔"

حاتم نے کہا "لیکن تم تو زندہ انسانوں کی طرح باتیں کر رہی ہو؟"

لڑکی نے کہا "میری ماں نے بچپن میں میرے بازو پر ایک افریقی جادُوگر کا تعویذ باندھ دیا تھا۔ وہ تعویذ، تیزاب کے ٹب میں، میرے گوشت پوست کے ساتھ ہی جل گیا ہے، مگر اس کا اثر مجھ پر باقی ہے۔ اس تعویذ کے اثر سے میری رُوح ابھی تک میرے ہڈیوں کے ڈھانچے میں ہے۔ اگر تم افریقہ جا کر اس جادُوگر سے ملو جس نے تعویذ میرے بازُو پر باندھا تھا تو وہ مجھے پھر سے زندہ کر سکتا ہے۔"

حاتم نے کہا "لیکن وہ جادُوگر مجھے کہاں ملے گا؟ ہو سکتا ہے وہ خود مر کھپ گیا ہو۔"

لڑکی بولی "مر کر میری آنکھیں روشن ہو گئی ہیں اور مَیں ہزاروں میل تک دیکھ سکتی ہُوں۔ وہ جادُوگر تمھیں نیروبی سے سو میل دُور، دریا کنارے، ایک جنگل میں ملے گا۔ میں اُسے ایک جھونپڑی میں بن مانس کی کھوپڑی پر منتر پڑھتے دیکھ رہی ہوں۔"

"اُس کا نام کیا ہے؟" حاتم نے پُوچھا۔

"مجھے اس کا نام نہیں معلوم، لیکن میری ماں کہا کرتی تھی کہ ہر مہینے اس کے ماتھے پر ایک چھوٹا سا سینگ اُبھر آتا ہے، جس کو وہ چاقو سے کاٹ دیتا ہے۔"

حاتم نے پُوچھا "تمھارے ماں باپ کہاں ہیں؟"

لڑکی نے جواب دیا "خُدا جانے وہ کہاں ہیں۔ ہو سکتا ہے میرے گُم ہو جانے کی خبر سُن کر وہ واپس نیروبی چلے گئے ہوں۔ لیکن اب اُن سے ملنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ تُم جادُوگر سے جا کر ملو اور میری بات کرو۔ میں زندہ ہو گئی تو خُود ہی اپنے ماں باپ کے پاس چلی جاؤں گی۔"

حاتم نے کہا "لیکن تمھارا اس تابُوت میں پڑے رہنا بھی ٹھیک نہیں۔ کیونکہ اب حویلی ویران ہو گئی ہے۔ ہو سکتا ہے پولیس آ کر سارے تابُوتوں پر قبضہ کر لے۔"

لڑکی نے کہا "اِس حویلی کے نیچے ایک خُفیہ تہہ خانہ ہے۔ تُم میرا تابُوت اس تہہ خانے میں لے جا کر رکھ دو۔ وہاں کوئی نہیں آ سکے گا۔ جب تُم جادُوگر سے مل کر واپس آؤ تو مجھے وہاں سے نکال لینا۔"

حاتم نے کہا "بہت اچھا، بہن شارجہ۔ تم جس طرح چاہتی ہو، میں ویسے ہی کروں گا۔"

حاتم نے شارجہ کی ممی کا تابوت اٹھایا اور اسے حویلی کے نیچے لے جا کر تنگ و تاریک تہہ خانے میں رکھ کر دروازہ بند کر دیا۔ پھر وہ حویلی سے باہر نکل آیا اور سیدھا اپنے ریسٹ ہاؤس گیا۔ اس نے ریسٹ ہاؤس کے افسر سے کہا کہ ایک ضروری کام سے مجھے نیروبی جانا پڑ گیا ہے۔ ایک مہینے بعد واپس آؤں گا۔

رات حاتم نے ریسٹ ہاؤس میں گزاری۔ دوسرے روز ناشتا کر کے بغداد ایئرپورٹ سے ایک ہوائی جہاز میں سوار ہوا اور نیروبی کی طرف روانہ ہو گیا۔ جہاز کا سارا سفر صحرا کے اوپر سے گزرا۔ آخر وہ کینیا کے دارالحکومت نیروبی کے ایئرپورٹ پر اتر گیا۔ اس کے پاس سوائے ایک بریف کیس کے اور کوئی سامان نہ تھا۔

اس کے ٹریول چیک میں کافی رقم تھی۔ ایئرپورٹ سے ہی اس نے نیروبی کے شاندار ہوٹل صحرا میں ایک کمرا بک کرا لیا اور ٹیکسی میں بیٹھ کر ہوٹل کی طرف

روانہ ہو گیا۔ ہوٹل صحرا نیروبی کے بہترین ہوٹلوں میں سے تھا۔ چھ منزلہ عمارت میں کتنے ہی کمرے تھے۔ حاتم کا کمرا دُوسری منزل پر تھا۔ اُس نے بریف کیس میں سے کپڑے نکال کر الماری میں رکھے اور قہوہ منگوایا۔ قہوہ پی کر نیروبی شہر کے آس پاس کے علاقے کا نقشہ کھولا اور دریا اور اُس کے آس پاس کے جنگلوں کا جائزہ لینے لگا۔

کالا جنگل، لال چٹانیں

نقشے پر جنگلوں کی جگہ سیاہ نشان لگے تھے۔ یہ سیاہ نشان دریائے نیروبی کے دوسرے کنارے پر بڑی دُور تک چلے گئے تھے۔ ان جنگلوں میں ہی حاتم کو شارجہ کینیز کے اُس جادُوگر کو ڈھونڈنا تھا، جس کے نام تک کا اُسے علم نہ تھا۔ اُس کی صرف ایک ہی نشانی تھی کہ اس کے ماتھے پر ہر مہینے ایک سینگ نکلتا ہے جس کو وہ کٹوا دیتا ہے۔

حاتم زندگی میں کبھی مایوس نہیں ہُوا تھا۔ بلکہ یوں کہنا

چاہیے کہ مایوسی کے دن وہ پیدا ہی نہیں ہُوا تھا۔ وہ بغداد سے عہد کر کے نکلا تھا کہ شارجہ کو اس کی زندگی ضرور واپس لا کر دے گا اور جادُوگر کو افریقہ کے خطرناک سے خطرناک جنگلوں میں بھی تلاش کر کے رہے گا۔

وہ دن حاتم نے نیروبی کی سُپر مارکیٹ اور دُوسرے بازاروں کی سیر میں گزُارا۔ اس نے ایک آٹو میٹک ریوالور خریدا جس میں بارہ گولیاں بھری جا سکتی تھیں، ملیریا اور سانپ کے زہر کا توڑ کرنے والے ٹیکے لگوائے، پھر شکاریوں والا لباس خرید کر پہنا اور ایک شکاری جیپ کرائے پر لی۔ اس کے بعد وہ واپس اپنے ہوٹل آ گیا۔

اگلے روز اُس نے کھانے پینے کا ضروری سامان ساتھ لیا اور جیپ میں بیٹھ کر دریا کی طرف روانہ ہو گیا۔ دن بڑا روشن تھا۔ دُھوپ نکلی ہوئی تھی۔ اگرچہ دُور دُور بادلوں کے ٹکڑے بھی دکھائی دیتے تھے۔ پکّی کھُلی سڑک پر دو گھنٹے کے سفر کے بعد وہ دریا پر پہنچ گیا۔ یہاں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ حاتم نے جیپ ایک طرف روکی۔ نقشہ نکال کر دیکھا۔ وہ ٹھیک مقام پر آ گیا تھا۔ یہیں سے اُسے دریا پار کر کے

دُوسری طرف گھنے جنگلوں میں داخل ہونا تھا۔ یہ جنگل دریا کی دُوسری جانب کچھ فاصلے پر نظر آ رہے تھے۔
اُس نے ایک چائے خانے کے باہر بانس کی کُرسی پر بیٹھ کر چائے پی اور نقشے کو ایک بار پھر غور سے دیکھنے لگا۔ چائے پینے کے بعد وہ چائے خانے کے مالک سے افریقہ کے جنگلوں کے بارے میں باتیں کرنے لگا۔ چائے خانے کا مالک ایک بوڑھا افریقی تھا۔ اُس نے حاتم سے پُوچھا:
"تم یہاں شکار کرنے آئے ہو؟"
"ہاں، شکار کا ارادہ ہے۔ میں نے سُنا ہے، اس جنگل میں شکار عام مِل جاتا ہے۔"
بُوڑھا حبشی بولا "تُمھیں آدم خور شیر کے شکار کا کوئی تجربہ ہے؟"
"کیوں؟" حاتم نے پُوچھا۔
"ان جنگلوں میں آج کل ایک آدم خور شیر آیا ہُوا ہے، اور اب تک سات انسانوں کو ہڑپ کر چُکا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہیں آٹھویں آدمی تُم نہ ہو۔"
حاتم کہنے لگا "فکر نہ کرو، دوست۔ میری باری نہیں آئے گی۔ میں انشاء اللہ اس آدم خور کی کھال تمھارے

ہاتھ بیچوں گا۔ کتنے پاؤنڈ دے سکتے ہو تم؟"

بُوڑھا قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ حاتم نے اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد پُوچھا "سُنا ہے ان جنگلوں میں جادُوگر بھی ہوتے ہیں۔"

حبشی نے کہا "کبھی ہُوا کرتے تھے۔ اب تو وہ بھی آدم خور کے ڈر سے بھاگ گئے ہیں۔"

اب حاتم نے سیدھا سوال کر دیا "سُنا ہے ایک جادُوگر کے ماتھے پر سینگ اُگتا ہے۔"

یہ سُن کر حبشی کا چہرہ زرد پڑ گیا اور آنکھیں پھیل گئیں۔ اُس نے کہا "کیا تُم سینگوگ جادُوگر کی تلاش میں یہاں آئے ہو؟"

حاتم نے کہا "میں نے سُنا تھا کہ وہ اسی جنگل میں رہتا ہے۔ سوچا اس سے بھی مُلاقات ہو جائے گی، کیونکہ مَیں نے اس کی بڑی تعریف سُنی ہے۔ کیا اس کا نام سینگوگ ہے؟"

"ہاں" حبشی نے کہا "سینگوگ جادوگروں کا بادشاہ ہے۔ اس کے جادُو سے آج تک کوئی نہیں بچ سکا۔ وہ ہوا میں اُڑتا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو جاتا ہے۔ خُوں خوار شیر اس کی جھونپڑی کے باہر پہرا

دیتے ہیں۔"

حاتم بڑا خوش ہُوا کہ جس شخص کی تلاش میں وہ آیا تھا اُس کا سُراغ مل گیا ہے۔ اس نے پُوچھا:
"سینگوگ مجھے کہاں ملے گا؟"
حبشی بولا "وہ تو کب کا مر چُکا۔"
حاتم نے چونک کر کہا "مگر تُم تو کہہ رہے ہو کہ وہ ہوا میں اُڑتا ہے۔ اس کی جھونپڑی کے باہر شیر پہرا دیتے ہیں۔"
"ہاں، وہ مر چُکا ہے۔ لیکن اس کی رُوح اس کے جھونپڑے میں رہتی ہے۔ اسے کوئی دیکھ نہیں سکتا مگر وہ سب کو دیکھتی ہے اور جس کو چاہے جادُو کے زور سے ہلاک کر دیتی ہے۔"
حاتم طائی کو بڑی مایُوسی ہُوئی۔ اگر سینگوگ جادُوگر مر چُکا ہے تو پھر اس سے کبھی مُلاقات نہ ہو سکے گی۔ لیکن جب حبشی نے کہا کہ جادُوگر سینگوگ کی رُوح چاند کی چودھویں تاریخ کو اپنی جھونپڑی میں آ کر لوگوں کو تعویذ دیتی ہے اور اُن کی بیماریوں کا علاج کرتی ہے تو اس کی ہمّت بندھی۔ اُس نے سوچا، ہو سکتا ہے سینگوگ زندہ ہی ہو اور مرنے کا اُس

نے محض ڈھونگ رچایا ہو تاکہ جاہل لوگوں پر اثر ڈالا جائے۔

اس نے سینگوگ جادوگر سے ملنے کا فیصلہ کر لیا، بُوڑھے حبشی سے جنگلوں کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور سینگوگ کی جھونپڑی کے بارے میں بھی پُوچھا۔ بوڑھے نے بتایا:

"سینگوگ جادُوگر کی جھونپڑی سُرخ دریا کے کنارے، لال چٹانوں کے پاس ہے۔ اس سے زیادہ مجھے بتانے کی اِجازت نہیں ہے۔"

حاتم کے لیے اِتنی بات ہی بات بُہت تھی۔ سُرخ دریا اور چٹانیں۔ وہ یہاں پہنچ کر سینگوگ کی جھونپڑی کا سُراغ لگا سکتا تھا۔ اُس نے بُوڑھے کا شکریہ ادا کیا اور جیپ میں سوار ہو کر دریا کے پُل کی طرف روانہ ہو گیا۔ پُل کے دُوسری طرف پکّی سڑک کُچھ دُور جا کر ختم ہو گئی تھی۔ یہاں سے ایک کچّا راستہ گھنے جنگلوں تک جاتا تھا۔ یہاں سبزیوں کے کھیت تھے۔ کھیت جہاں ختم ہوتے تھے وہاں سے جنگل شروع ہو جاتا تھا۔

ایک چوڑی پگ ڈنڈی درختوں کے بیچ سے ہو کر

جنگل کے اندر چلی گئی تھی۔ گاؤں کے لوگ یہیں سے اپنے ڈھور ڈنگر چرانے جنگل میں جاتے تھے۔ حاتم نے اللہ کا نام لے کر جیپ جنگل کے اندر ڈال دی اور درختوں کے نیچے آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔

اس وقت آسمان پر بادل کچھ گہرے ہو گئے تھے اور ٹھنڈی ہوا چلنے لگی تھی۔ حاتم جنگل میں کافی آگے نکل آیا تھا۔ یہاں جنگل گھنا ہو گیا تھا اور جیپ کا آگے جانا مشکل تھا۔ اُس نے ایک جگہ درختوں کے نیچے جیپ کھڑی کر دی، کافی کا تھرمس کندھے پر لٹکایا اور رائفل ہاتھ میں لے کر درختوں کی چھاؤں میں آگے روانہ ہو گیا۔

وہ جُوں جُوں آگے بڑھتا گیا، درخت گھنے ہوتے گئے۔ اب ان کی شاخیں زمین کو چھُونے لگی تھیں۔ حاتم نے رائفل کندھے پر لٹکا لی اور جیب سے خنجر نکال لیا۔ وہ درختوں کی شاخیں کاٹ کر راستہ بنانے لگا۔ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد درخت کچھ کھُل گئے۔ پھر ایک چھوٹا سا کھُلا ٹکڑا آ گیا۔ یہاں پتّھروں میں ایک چشمہ بہہ رہا تھا۔ حاتم چشمے کے کنارے گھاس پر بیٹھ گیا۔ نقشے میں جنگل کے اندر کا حصّہ

نہیں دکھایا گیا تھا، اس لیے وہ اس کی رہ نمائی نہیں کر سکا۔

حاتم نے نقشہ تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔ اب اسے کسی ایسے آدمی کی تلاش تھی، جو اُسے یہ بتا سکتا ہو کہ دریائے سُرخ یہاں سے کس طرف ہے۔ مگر جنگل میں دُور دُور تک انسان کا نام نشان تک نہ تھا۔ مجبُوراً وہ اُٹھا اور چشمے کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ اُسے آدم خور شیر کا بھی خیال تھا کہ کہیں وہ کسی طرف سے نکل کر اُس پر حملہ نہ کر دے۔ اگرچہ شیر اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا، لیکن اُسے پریشان تو کر سکتا تھا۔

کچھ دُور آگے جا کر ایک اور کھُلی جگہ آئی، جس کی ایک جانب گھنے درخت اور دُوسری طرف اُونچی سیاہ چٹانیں تھیں۔ ان چٹانوں پر سبزہ اُگا ہُوا تھا۔ حاتم کو سُرخ چٹانوں کے پاس پہنچنا تھا، جو کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔

چشمہ آگے جا کر ایک چھوٹی آبشار کی شکل میں نیچے گہری کھائی میں اُتر گیا تھا۔ حاتم اُوپر سے ہو کر سامنے والی چٹانوں کی طرف گھُوم گیا۔ یہ اُونچی اُونچی

چٹانیں تھیں جو زمین سے پتھّر کی دیوار کی طرح سیدھی اُوپر کو اُٹھتی چلی گئی تھیں۔ کہیں کہیں ان کی پتھریلی دیواروں میں سے جھاڑیاں باہر کو نکلی ہوئی تھیں۔ چٹانوں کے درمیان تنگ راستہ آگے جا رہا تھا۔ حاتم اسی راستے پر چلنے لگا۔

چلتے چلتے دوپہر ہو گئی۔ وہ ایک جگہ بیٹھ گیا۔ اُس نے تھیلے میں سے سینڈوچ نکال کر کھائے۔ تھرمس میں سے کافی پی، کچھ دیر آرام کیا۔ پھر رائفل کو رُومال سے چمکایا، ریوالور کھول کر اس کی گولیوں کو چیک کیا اور دوبارہ سفر پر روانہ ہونے کے لیے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ ابھی اُس نے قدم اٹھایا ہی تھا کہ اچانک شیر کی دہاڑ سے سارا جنگل گُونج اُٹھا۔ اُس نے کندھے سے رائفل اُتار کر ہاتھوں میں پکڑ لی اور ایک درخت کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔

یہ اُسی آدم خور شیر کی دہاڑ تھی۔ حاتم اُس کا اِنتظار کرنے لگا۔ اِتنے میں ایک افریقی بھاگتا ہُوا سامنے والی چٹانوں پر نمُودار ہُوا۔ یہ کوئی جنگلی تھا اور شیر کے خوف سے دیوانہ وار بھاگ رہا تھا۔ اس کے پیچھے ایک دھاری دار شیر چلا آ رہا تھا۔ حاتم نے

آگے بڑھ کر فائر کر دیا۔ شیر اُچھل کر چٹان کے پیچھے چلا گیا۔ افریقی حاتم کے قدموں پر گر پڑا۔ وہ خوف کے مارے کانپ رہا تھا۔ حاتم نے اُسے اُٹھا کر کہا:

"میرے پیچھے آ جاؤ۔ وہ پھر آئے گا۔"

حبشی حاتم کے پیچھے جا کر زمین پر بیٹھ گیا۔

حاتم جانتا تھا کہ شیر حملہ کرنے کے لیے کسی طرف سے ان کی طرف ضرور بڑھ رہا ہوگا۔ وہ اس وقت بہت بھوکا تھا اور اسے اب ایک کے بجائے دو شکار نظر آ گئے تھے۔

حاتم کو حبشی کی جان کی فکر تھی۔ وہ حبشی کو ساتھ لے کر کھسکتا ہُوا چٹان کی دیوار کے ساتھ جا لگا۔ یہاں شیر کے پیچھے سے حملہ کرنے کا خطرہ نہ تھا۔ سامنے چٹانوں کے درمیان کھلا راستہ تھا۔ شیر زیادہ سے زیادہ چھوٹی چٹان کے اُوپر سے حملہ کر سکتا تھا۔ جس چٹان سے لگ کر حاتم اور حبشی مورچہ بنا کر بیٹھے تھے، وہ اتنی اُونچی تھی کہ اس کے اُوپر سے شیر کے چھلانگ لگانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

آدم خور شیر کہیں داؤ لگا کر بیٹھا تھا۔ وہ بالکل

خاموش تھا۔ حاتم نے اِشارے سے حبشی کو ہدایت
کی کہ وہ ذرا سی بھی آواز نہ نکالے۔
اچانک حبشی نے آدم خور کی بُو سُونگھ لی اور
ہاتھ سے ایک طرف اِشارہ کیا۔ حاتم نے اُس
طرف دیکھا تو جھاڑیاں ہلتی ہُوئی نظر آئیں۔ وہ
چٹان کے پتھروں کے پیچھے ہو گیا۔ جھاڑیوں میں
شیر موجُود تھا اور ان دونوں کو بھُوکی نظروں سے
دیکھ رہا تھا۔ آخر وہ جھاڑیوں سے باہر نکل آیا اور
اتنی زور سے دہاڑا کہ جنگل کے درخت اور چٹانیں
بھی لرز اُٹھیں۔ حاتم نے فوراً ہی شیر کی کھوپڑی کا
نشانہ باندھ کر فائر کر دیا۔ رائفل کی گولی دھماکے
سے نکلی اور شیر کی گردن میں جا لگی۔ شیر اُچھل کر
پیچھے ہٹا، گردن کو زور سے جھٹکا دیا اور حملہ کرنے
کے لیے آگے کُودا۔
حاتم نے دُوسرا فائر کیا۔ پھر تیسرا کیا۔ گولیوں
نے شیر کی کھوپڑی کو پاش پاش کر دیا۔ اب اُس
کے زندہ رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس
کی لاش جھاڑیوں کے پاس پڑی تھی۔ حبشی ابھی تک
شیر کے خوف سے کانپ رہا تھا۔ حاتم نے اُسے

تسلّی دیتے ہُوئے کہا:
"شیر مر گیا۔ تمھارا قبیلہ کہاں ہے؟"
حبشی نے کہا "پیچھے ہے، پیچھے۔ بہت دُور"
حاتم نے پُوچھا "کیا تم بتا سکتے ہو کہ سُرخ دریا کس طرف ہے؟"
حبشی نے آگے کی طرف اشارہ کر کے کہا "ان چٹانوں کے پار سیاہ جنگل ہے۔ اس جنگل سے گزر کر تم سُرخ دریا پر پہنچ جاؤ گے۔"
حاتم نے پُوچھا "کیا سُرخ چٹانیں بھی وہیں ہیں؟"
"ہاں۔ وہیں ہیں۔"
"اور سینگوگ جادُوگر کی جھونپڑی بھی وہیں پر ہے؟"
سینگوگ جادُوگر کا نام سُن کر حبشی لرز اُٹھا اور بولا۔ "اس کی جھونپڑی لال دریا کے پار، لال چٹانوں میں ہے۔"
یہ کہہ کر وہ ایسا بھاگا کہ دیکھتے دیکھتے جنگل کے درختوں میں غائب ہو گیا۔ حاتم کو جو سوال پُوچھنے تھے ان کا جواب اسے مل گیا تھا۔ اُس نے شیر کی لاش کو وہیں چھوڑا، رائفل کندھے پر لٹکائی اور سیاہ جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ سوچ رہا

تھا کہ یہ سیاہ جنگل کیسا ہوگا؟

اب چٹانیں پیچھے رہ گئی تھیں اور درختوں کے درمیان ایک کھلا راستہ ایک چوڑے میدان کی طرف جاتا تھا جس کے کنارے درختوں کی ایک دیوار کھڑی نظر آ رہی تھی۔ دور سے یہ درخت سیاہ دکھائی دے رہے تھے۔ ایسے درخت حاتم نے پہلے کہیں نہیں دیکھے تھے۔ شاید یہی وہ سیاہ جنگل تھا جسے عبور کرکے حاتم کو دریائے سرخ تک پہنچنا تھا!

حاتم اور اژدہا

حاتم کالے جنگل میں داخل ہو گیا۔

حبشی نے سچ کہا تھا۔ یہ کالا جنگل ہی تھا۔ سارے درخت سیاہ تھے۔ پتّوں کا رنگ بھی سیاہ تھا۔ ایسے درخت حاتم نے زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ ان سیاہ درختوں کی وجہ سے جنگل میں دن کے

وقت بھی اندھیرا سا چھایا ہُوا تھا۔ ایک عجیب قسم کی گندھک ایسی بُو فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ حاتم نے ایک درخت کو ہاتھ لگا کر دیکھا۔ وہ سخت تھا اور اس کا رنگ پکّا تھا۔ درختوں کے تنوں میں سے گوند ایسی پتلی شے رِس رِس کر زمین پر ٹپک رہی تھی۔ یہاں کوئی پگ ڈنڈی نہیں تھی۔ صاف لگ رہا تھا کہ اس جنگل میں کبھی کبھار ہی کوئی آتا ہے۔

حاتم نے رائفل کندھے سے لٹکا لی تھی۔ وہ جھاڑیوں میں راستہ بناتا آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ کچھ دُور جا کر درخت چھدرے ہو گئے اور بیچ میں سبز گھاس کا ایک چھوٹا سا میدان آ گیا۔ یہ میدان اُونچا نیچا تھا۔ حاتم نے تعجّب سے دیکھا کہ یہاں کی گھاس سیاہ نہیں تھی۔ گھاس کے درمیان دلدل کے بڑے بڑے گڑھے بنے ہُوئے تھے۔ اس دلدل کا رنگ سیاہ تھا اور اس کے اندر سے بُلبُلے اُٹھ رہے تھے۔ لاکھوں موٹی موٹی جونکیں دلدل میں رینگ رہی تھیں۔

خوف کے مارے حاتم کو جُھرجُھری آ گئی۔ اس دلدل

میں اگر ہاتھی بھی گِر پڑے تو یہ جونکیں ایک منٹ میں اس کا خون چوس کر ہڈیوں کا پنجر بنا دیں گی۔ حاتم نے کالے رنگ کے موٹے موٹے چیونٹے بھی دیکھے جن کے سر فالسے جتنے بڑے تھے۔ یہ چیونٹے گوشت خور معلوم ہوتے تھے۔ حاتم ان دلدلوں سے بچ کر آگے نکلنے ہی لگا تھا کہ کسی ہاتھی کی چنگھاڑ سُنائی دی۔

حاتم نے پلٹ کر دیکھا ۔ ایک سرپھرا مست ہاتھی جس کے مُنھ سے جھاگ نکل رہا تھا، سُونڈ اُٹھائے اس کی طرف دوڑتا آ رہا تھا۔ اس نے ہاتھی کو خوامخواہ مارنا پسند نہ کیا اور جلدی سے ایک درخت پر چڑھ گیا۔ جتنی دیر میں ہاتھی اس کے پاس آیا، وہ درخت کی اُونچی شاخ پر پہنچ چُکا تھا۔ یہ ہاتھی دو روز ہُوئے پاگل ہُوا تھا اور انسان کے خُون کا پیاسا تھا۔ جُوں ہی اُس نے حاتم طائی کو دیکھا، فوراً اُس کی طرف لپکا کہ اسے سُونڈ میں جکڑ کر اُس کا کچومر نکال دے۔

لیکن حاتم تو درخت کی شاخ پر بیٹھا تھا ۔ ہاتھی کو سخت غُصّہ آیا۔ اُس نے سُونڈ اُوپر اُٹھا کر

چنگھاڑنا شروع کیا۔ پھر زور زور سے درخت پر ٹکریں مارنے لگا۔ درخت بہت مضبوط تھا۔ پھر بھی اِتنے بڑے ہاتھی کی ٹکر سے لرز اُٹھا۔ حاتم نے مضبوطی سے شاخ کو تھام رکھا تھا، نہیں تو وہ نیچے گر پڑتا۔ ہاتھی بار بار درخت پر ٹکریں مار رہا تھا۔

اب حاتم نے سوچا کہ اسے ہاتھی کو گولی مار دینی چاہیے، نہیں تو کم بخت درخت کو گرا دے گا۔ اُس نے کندھے سے رائفل اُتار ہی تھی کہ ہاتھی اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹنے لگا۔ حاتم کا ہاتھ وہیں رُک گیا۔ ہاتھی دس قدم پیچھے ہٹا اور پھر دوڑ کر درخت پر ٹکر مار دی۔ درخت جھنجھنا اُٹھا۔ حاتم نے نشانہ لے کر گولی چلا دی، لیکن نشانہ خطا گیا۔ ہاتھی پیچھے ہٹ گیا۔ حاتم نے محسوس کیا کہ ہاتھی پیچھے جاتے ہُوئے دو تین قدم کا فاصلہ ڈال دیتا ہے۔ وہاں سے بیس قدم پر دلدل کا سب سے بڑا گڑھا تھا۔ حاتم نے رائفل درخت کی شاخ سے لٹکا دی۔

ہاتھی درخت پر چار ٹکریں مارنے کے بعد پانچویں بار اُلٹے پاؤں پیچھے گیا تو اُس کے پچھلے پاؤں دلدل کے کنارے پر پہنچ گئے۔ وہ وہیں سے آگے بڑھا

اور درخت پر پُورے زور سے ٹکّر ماری۔ اس بار درخت اپنی جگہ سے ہِل گیا اور ذرا سا ٹیڑھا ہو گیا۔ حاتم چھٹی ٹکّر کے اِنتظار میں تھا۔ ہاتھی پیچھے ہٹا۔ اس بار اُس نے دو قدم کا اور فاصلہ ڈالنا چاہا تو اُس کا پچھلا پاؤں دلدل کے کنارے سے پھسل گیا۔ وہ ایک چٹان کی طرح پیچھے کو جُھکا اور ایک بھیانک چیخ کے ساتھ اُبلتی ہُوئی سیاہ دلدل میں گِر پڑا۔ حاتم نے درخت سے چھلانگ لگا دی اور بھاگ کر دلدل کے کنارے آ گیا۔

دلدل نے ہاتھی کو نگلنا شروع کر دیا تھا۔ مگر اس سے پہلے ہزاروں جونکیں اور لاکھوں چیونٹے ہاتھی سے چمٹ گئے تھے۔ ہاتھی پیٹھ کے بل دلدل میں پڑا تھا۔ وہ اپنی ٹانگوں اور سُونڈ کو بار بار ہلا رہا تھا اور مُنہ سے بڑی بھیانک آوازیں نکال رہا تھا۔ جونکیں اور چیونٹے تیزی سے اپنا کام کر رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہاتھی کے جسم کا گوشت جگہ جگہ سے غائب ہو گیا اور اس کی سفید ہڈیاں دکھائی دینے لگیں۔

ہاتھی ابھی تک اپنی سُونڈ اِدھر اُدھر مار رہا تھا۔جونکیں اس کی سُونڈ سے چمٹی اُس کا خُون پی رہی تھیں اور چیونٹے اس کا گوشت ہڑپ کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ہاتھی کی سُونڈ ایک طرف گِر پڑی اور دلدل نے اُسے نِگلنا شروع کر دیا۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دلدل اِنتظار کر رہی تھی کہ کب چیونٹے اور جونکیں ہاتھی کا خُون پی کر اور گوشت کھا کر فارغ ہوں اور وہ اسے نِگلنا شروع کر دے۔ ہاتھی سفید ہڈیوں کا پِنجر بن چُکا تھا۔ جونکوں نے خُون کا ایک قطرہ بھی نہیں گرنے دیا تھا۔ چیونٹے بھی گوشت کھا کر جا چُکے تھے۔ اب دلدل کا کام باقی رہ گیا تھا۔ اور اس نے بھی جلد ہی اپنا کام ختم کر لیا۔

اب حاتم وہاں سے آگے روانہ ہُوا۔جب وہ کالے جنگل کے عین درمیان میں پہنچا تو اُس نے محسوس کیا کہ کوئی اس کے پیچھے پیچھے آ رہا ہے۔ اُس نے مُڑ کر دیکھا۔ کوئی بھی نہیں تھا۔ درخت خاموش کھڑے تھے۔جھاڑیاں چُپ چاپ تھیں۔ حاتم نے خیال کیا کہ یہ اُس کا وہم ہوگا۔ یہاں کون اُس کا پیچھا کر

سکتا ہے۔ یہاں سوائے اس کے اور کوئی انسان ہی نہیں ہے۔

چند قدم چلنے کے بعد وہ پھر رک گیا۔ اُسے ایک بار پھر کسی کے قدموں کی چاپ سُنائی دی تھی۔ اُس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ لیکن پیچھے کوئی بھی نہ تھا۔ کیا یہاں کسی آسیب کا سایہ تھا؟ حاتم کو جادُوگر کا خیال آ گیا، جس کی تلاش میں وہ ان خطرناک جنگلوں میں آیا تھا۔ اگر یہ سینگوگ جادُوگر ہے تو پھر تو بڑی اچھی بات ہے۔ اُس نے رُک کر آواز دی:

"سینگوگ جادُوگر! میں حاتم ہُوں اور مجھے شارجہ نے تمھارے پاس بھیجا ہے۔"

کسی نے جواب نہ دیا۔ جنگل میں سنّاٹا چھایا رہا۔ حاتم ایک بار پھر آگے چل پڑا۔ وہ ایک ٹیلے کے اُوپر چڑھنے لگا تھا کہ اُسے اپنے پیچھے کسی کے بھاری قدموں کی آہٹ سُنائی دی۔ اس نے جلدی سے مُڑ کر دیکھا۔

ایک لمبا تڑنگا گوریلا، جس کا ماتھا چھوٹا اور سارے جسم پر سیاہ بالوں کا جنگل اُگا ہُوا تھا، لمبے

لمبے بازُو زور زور سے زمین پر مارتا، اُچھل اُچھل کر حاتم کی طرف بڑھ رہا تھا!

حاتم کو اپنی رائفل سیدھی کرنے کی بھی مُہلت نہ ملی اور گوریلے نے زور سے اُسے دھکّا دے کر زمین پر گرا دیا۔ اُس کی رائفل ہاتھ سے چھُوٹ کر دُور جا گری۔ وہ جلدی سے اُٹھ کر رائفل کی طرف بڑھا تاکہ گوریلے کو گولی مار کر ہلاک کر دے، لیکن گوریلا اُس کی نیّت کو بھانپ گیا۔ اُس نے پُورا حلق پھاڑ کر اپنے پھُولے ہُوئے پیٹ کو دونوں ہاتھوں سے نوبت کی طرح بجاتے ہُوئے زور سے چیخ ماری اور حاتم کی طرف دَوڑا۔ حاتم ابھی رائفل کے پاس نہیں پہنچا تھا کہ گوریلا اس کے سر پر آ گیا۔ وہ اُسے دبوچنے ہی لگا تھا کہ اس کے پیچھے ایک خوف ناک پھُنکار کی آواز گُونجی۔

گوریلے نے اپنے چوڑے نتھنے اور چوڑے کرتے ہُوئے فضا میں کسی چیز کی بُو سُونگھی۔ لیکن حاتم اس کے پیچھے ایک بہت بڑے اژدہے کو دیکھ چُکا تھا۔ اگلے ہی لمحے اژدہے نے گوریلے کی گردن

دبوچ لی۔ گوریلے نے دونوں ہاتھوں سے اژدہے کی گردن پکڑ کر پیچھے کی طرف کھینچی مگر اژدہے نے اپنا سارا جسم اُس کے جسم کے گرد لپیٹ لیا تھا اور اب اُسے کسنے لگا تھا۔ گوریلے کی حالت غیر ہونے لگی۔ یہ اژدہا خُدا جھوٹ نہ بُلوائے تو کوئی پچاس فُٹ لمبا اور دو فُٹ موٹا ہوگا۔

گوریلا اژدہے کی گردن پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اژدہے کی گردن اُس کے قابُو میں نہیں آ رہی تھی۔ گوریلے کی آنکھیں اُبل آئیں۔ اُس کا دم گھٹنے لگا۔ حاتم نے دیکھا کہ وہ رحم طلب نظروں سے اُسے دیکھ رہا ہے۔ اس کی آنکھوں میں اِلتجا تھی کہ خُدا کے واسطے مجھے اس بلا سے بچاؤ!

حاتم کو گوریلے پر رحم آ گیا۔ اُس نے رائفل اُٹھا کر اژدہے کا نشانہ باندھا اور لب لبی دبا دی، مگر گولی نہ چلی۔ اُس نے دُوسری بار فائر کیا، لیکن اس دفعہ بھی گولی نہ چلی۔ بس ٹِک کی آواز آ کر رہ گئی۔ رائفل میں کوئی خرابی ہو گئی تھی۔ اُدھر گوریلے کی جان پر بنی ہُوئی تھی۔ وہ بس مرنے ہی

والا تھا۔ حاتم کو اور تو کچھ نہ سُوجھا، اُس نے خنجر نکالا اور اژدہے کے اُوپر چھلانگ لگا دی۔

اژدہے نے جو ایک انسان کو اپنے اُوپر گرتے دیکھا تو اس کے جسم کو بھی لپیٹ لیا اور اپنا سر اُوپر اُٹھا کر اُسے سُرخ سُرخ آنکھوں سے دیکھا۔

اژدہے کی آنکھوں سے چنگاریاں سی نکل رہی تھیں۔ اس کے نوکیلے دانت اندر کو مُڑے ہُوئے تھے۔ مُنھ کُھلا تھا اور دو شاخہ زبان بار بار لہرا رہی تھی۔ اتنے بڑے اژدہے میں زہر نہیں ہوتا۔ وہ اپنے شکار کو ڈستا نہیں بلکہ اسے پُورے کا پُورا نگل جاتا ہے۔ افریقہ میں ایسے ایسے اژدہے پائے جاتے ہیں کہ پُورے ہرن کو نگل جاتے ہیں۔ یہ اژدہا بھی اسی قسم کا تھا۔

حاتم کو پکڑنے کے لیے اژدہے نے اس کی طرف مُنھ کیا ہی تھا کہ اُس نے ایک ہاتھ سے اس کی گردن پکڑ لی اور دُوسرے ہاتھ سے خنجر نکال کر اس کی گردن پر وار کرنے لگا۔ اژدہے نے گوریلے کے ساتھ حاتم کو بھی اپنی کُنڈلی میں جکڑ رکھا تھا۔ گوریلا اگرچہ بہت طاقتور تھا مگر اژدہے

کے آگے اُس کی طاقت جواب دے گئی تھی۔ وہ بے بس ہو کر ہاتھ پیر چلا رہا تھا۔

حاتم کو اپنی نہیں، گوریلے کی فکر تھی۔ اس نے اژدہے کے کھلے مُنھ میں خنجر گھونپ دیا۔ اژدہے نے مُنھ بند کر لیا۔ حاتم کا ہاتھ خنجر کے ساتھ اُس کے مُنھ میں چلا گیا۔ اژدہے نے اپنے دانت حاتم کی کلائی میں گڑونے کی کوشش کی تو اُس نے زور سے ایک ایسا جھٹکا دیا کہ خنجر اژدہے کی گردن ایک طرف سے چیرتا ہُوا باہر نکل آیا۔ اُس کی آدھی گردن کٹ چکی تھی۔ حاتم نے دُوسرا وار کر کے اُس کی باقی آدھی گردن بھی کاٹ دی۔

گردن کے کٹتے ہی اژدہا بے دم ہو گیا، اُس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور گوریلا اُس کے کُنڈل سے آزاد ہو گیا۔ وہ ایسی نظروں سے حاتم کی طرف تکنے لگا، جیسے اُس کا شکریہ ادا کر رہا ہو۔ اُس کے حلق سے عجیب قسم کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ حاتم کو محسوس ہُوا کہ وہ کچھ کہنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ بار بار اپنا ہاتھ مُنھ کی طرف لے جاتا اور پھر ویسی ہی آوازیں نکال کر

سینے پر مارتا تھا۔ حاتم نے کہا:

"میرے دوست، میں نے تو اپنا فرض ادا کیا ہے۔ شکریے کی کوئی بات نہیں۔"

گوریلے نے اپنا بازو آگے بڑھا کر حاتم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اُس کا ہاتھ کھُردرا اور سخت تھا اور بازو اور اُنگلیاں بالوں سے بھری ہُوئی تھیں۔ وہ دانت نکال کر ہنسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اژدہے کی لاش دیکھ کر اپنے سینے پر ہاتھ مارتا اور پھر حاتم کا ہاتھ ہاتھ میں لے کر دباتا۔ حاتم نے سوچا کہ اب اس سے بھی پیچھا چھُڑانا چاہیے۔ اس کی دوستی خطرناک ہو سکتی ہے۔اس نے گوریلے کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور آگے روانہ ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دلدلی میدان سے گزُر کر سامنے والے ٹیلے کے قریب آ گیا اور چڑھائی چڑھ کر دُوسری طرف اُتر گیا۔ اُدھر بھی سیاہ جنگل تھا اور اس جنگل میں، پتّھر کی چوکور سِلوں سے بنا ہُوا، ڈھلواں چھت والا ایک مکان بنا ہُوا تھا، جس کی دیواروں پر جنگلی بیلیں چڑھی ہُوئی تھیں۔ حاتم سوچنے لگا کہ ایسے ویران جنگل میں یہ مکان کس

کا ہو سکتا ہے؟ وہ ڈھلان اُتر کر مکان کی طرف بڑھا۔

مکان کی حالت بتا رہی تھی کہ عرصے سے ویران پڑا ہے۔ دروازہ بند تھا اور اس میں تالا لگا ہُوا تھا، جس کو زنگ لگ گیا تھا۔ حاتم مکان کے پچھواڑے گیا۔ یہاں ایک چھوٹی سی کھڑکی تھی جس میں سلاخیں لگی ہُوئی تھیں اور پٹ بند تھے۔ حاتم کو خیال آیا کہ ہو سکتا ہے یہاں کبھی کوئی گودام وغیرہ بنایا گیا ہو۔

وہ آگے بڑھ گیا۔ ابھی چند قدم ہی چلا تھا کہ کسی لڑکی کی رونے کی آواز آئی۔ وہ رُک گیا۔ یہ آواز بند مکان کے اندر سے آئی تھی۔ وہ واپس پلٹا۔ اس نے مکان کے دروازے پر کان لگا دیا۔ لڑکی کی آواز اندر سے آ رہی تھی۔ وہ رو رہی تھی۔ روتے روتے وہ سسکیاں بھرنے لگتی اور پھر خاموش ہو جاتی۔ حاتم نے ایک پتّھر اُٹھایا اور تالا توڑ ڈالا۔

وہ دروازہ کھول کر مکان کے اندر داخل ہُوا تو کیا دیکھتا ہے کہ کوٹھڑی میں ایک حبشی لڑکی زنجیروں میں بندھی پڑی ہے۔ حاتم نے اس کے پاس جا کر پُوچھا:

"تم کون ہو اور تمھیں یہاں کس نے قید کیا ہے؟"

لڑکی نے سسکیاں بھرتے ہُوئے کہا" مجھے ڈاکو یہاں بند کر گئے ہیں۔ میرا گھر سُرخ دریا کے کنارے پر ہے۔"

سُرخ دریا کا نام سُن کر حاتم کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ اسی دریا کی تلاش میں یہاں آیا تھا۔اُس نے لڑکی کی زنجیریں توڑ ڈالیں اور اسے مکان سے نکال کر باہر روشنی میں لے آیا۔ لڑکی کا چہرہ اُترا ہُوا تھا۔حاتم نے اسے درخت سے پھل توڑ کر کھانے کو دیے۔قریب ہی ایک چشمہ بہہ رہا تھا۔ وہاں جا کر لڑکی نے مُنہ ہاتھ دھو کر ٹھنڈا پانی پیا۔ وہ ابھی تک ڈری ہُوئی تھی۔ اُس نے حاتم سے کہا:

" ڈاکو اسی جنگل میں ہیں، اور کسی خُفیہ خزانے کی تلاش میں ہیں۔ اُنھوں نے ہمیں دیکھ لیا تو زندہ نہ چھوڑیں گے۔"

حاتم نے کہا" فکر نہ کرو، میں ان ڈاکوؤں کا مُقابلہ کروں گا۔"

لڑکی حیرت سے بولی" تم اکیلے اِتنے ڈاکوؤں کا مُقابلہ کر سکو گے؟ تُم ہو کون اور اس جنگل میں کیسے آ گئے؟"

" میرا نام حاتم ہے۔ میں جنگل میں شکار کے لیے آیا

تھا۔ سُنا ہے اِس علاقے میں سُرخ دریا بہتا ہے، جس کے کنارے سُرخ ہرن بہت ہوتے ہیں۔ میں سُرخ ہرن شکار کرنا چاہتا ہُوں۔"

لڑکی کہنے لگی "سُرخ دریا یہاں سے زیادہ دُور نہیں ہے۔ مگر وہاں، لال چٹانوں کے جنگل میں، کوئی انسان نہیں جاتا، کیونکہ وہاں سینگوگ جادُوگر کی رُوح کا قبضہ ہے۔ جو شخص سینگوگ کی رُوح کی اجازت کے بغیر وہاں جاتا ہے، اُس کی لاش درخت پر اُلٹی لٹکی ہُوئی ملتی ہے۔"

حاتم نے سینگوگ کا نام سُنا تو خوش ہو گیا۔ وہ جس مقصد کے لیے یہاں آیا تھا وہ اُسے پُورا ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ اُس نے لڑکی سے پُوچھا:

"سینگوگ کی رُوح ہر روز، رات کو، لال چٹانوں کے جنگل میں آتی ہے؟"

"نہیں۔ اُس کی رُوح صرف پُورے چاند کی رات کو آتی ہے اور سب سے بڑی لال چٹان کے دامن میں جو درختوں کے جُھنڈ ہیں، وہاں تھوڑی دیر کو رُکتی ہے۔ جس شخص کو اُس نے بُلایا ہوتا ہے، اُس سے باتیں کرتی ہے اور واپس رُوحوں کی دُنیا میں چلی جاتی ہے۔"

حاتم نے پُوچھا" کیا میں سینگوگ کی رُوح سے مل سکتا ہوں؟"

لڑکی بولی" تم اُس سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟"

حاتم نے کہا" بس مجھے جادُوگروں کی رُوحوں سے ملنے کا شوق ہے۔"

"تمہیں اس کے لیے جادُوگر پاٹلی سے اِجازت لینی ہوگی۔"

" یہ جادُوگر پاٹلی کون ہے؟" حاتم نے پُوچھا۔

لڑکی بولی جادُوگر پاٹلی سُرخ دریا کے کنارے ایک جھونپڑی میں رہتا ہے۔ وہ جادُوگر سینگوگ کا چیلا ہے اور لوگوں کو اُس کی رُوح سے ملاتا ہے۔لیکن وہ ان سے چاندی کے ٹکڑے لیتا ہے۔ جس کے پاس چاندی کے ٹکڑے نہ ہوں اس کی سفارش نہیں کرتا۔ زیادہ تر لوگ اپنی بیماریوں کا علاج کروانے کے لیے سینگوگ کی رُوح سے ملتے ہیں۔"

حاتم نے کہا" مجھے بھی ایک بیماری ہے۔چاندنی راتوں میں میرے سر میں اس قدر شدید درد اُٹھتا ہے کہ برداشت نہیں ہوتا۔ میں جادُوگر سینگوگ کی رُوح سے اس بیماری کا علاج کرانا چاہتا ہوں۔"

لڑکی نے کہا "تم جادوگر پاٹلی سے ملنا۔ وہ تمھیں سینگوگ کی رُوح سے مِلا دے گا۔"

وہ باتیں کرتے جنگل کے ایک تنگ راستے پر چلے جا رہے تھے۔ آگے ایک پہاڑی ندی آ گئی۔ اس کا پانی پتھروں سے ٹکراتا، شور مچاتا گزر رہا تھا۔ ندی کے اوپر بانس کا ایک پُل بنا ہُوا تھا۔

حاتم نے پُوچھا "یہی راستہ سُرخ دریا کو جاتا ہے؟"

"ہاں" لڑکی نے کہا "میں سارے راستے جانتی ہوں۔ یہاں سے سُرخ دریا ایک رات کے فاصلے پر ہے۔ ہم اسی طرح چلتے گئے تو کل صبح دریا پر پہنچ جائیں گے۔"

"ہمیں رات کے اندھیرے میں بھی چلنا ہوگا؟"

"نہیں۔ رات کو کچھ دیر آرام کر لیں گے، کیونکہ آدھی رات کے بعد ان جنگلوں میں بھٹکی ہوئی رُوحیں آ جاتی ہیں اور مُسافروں کو تنگ کرتی ہیں۔"

حاتم نے کہا "رُوحیں بھوتوں اور چڑیلوں کی شکل میں آتی ہیں؟"

"ہاں۔ میں نے ایسا ہی سُنا ہے" لڑکی نے جواب دیا۔

حاتم لڑکی کے ساتھ پُل کی طرف بڑھا تو لڑکی نے اُسے پیچھے کھینچ لیا اور ڈری ہوئی آواز میں بولی:
"ڈاکو آ رہے ہیں!"

حاتم نے دیکھا کہ چار ہٹّے کٹّے حبشی کندھوں پر بندوقیں لٹکائے اور سروں پر بڑی بڑی گٹھڑیاں رکھے پُل کی دُوسری طرف سے چلے آ رہے ہیں۔ لڑکی خوف کے مارے کانپنے لگی۔ حاتم نے اس سے پُوچھا کہ کیا یہی وہ ڈاکو ہیں؟ لڑکی نے کہا، ہاں۔ یہ بڑے ظالم ڈاکو ہیں اور کئی انسانوں کو قتل کر چکے ہیں۔ حاتم نے لڑکی کو وہیں ٹھہرنے کو کہا اور خود رائفل سنبھال کر جھاڑیوں کی طرف بڑھا۔

سینگوگ کی رُوح کا راز

وہ جھاڑیوں کے پیچھے رائفل لے کر بیٹھ گیا۔
ڈاکو آپس میں ہنسی مذاق کرتے آ رہے تھے۔ وہ پُل کے درمیان میں آ کر کھڑے ہو گئے اور پیچھے دیکھنے لگے،

جیسے کسی کا اِنتظار کر رہے ہوں۔ اِتنے میں دو ڈاکو پُل کے کنارے پر نمودار ہُوئے۔ انھوں نے ایک بُوڑھے حبشی کو رسّیوں سے باندھ رکھا تھا اور اُسے کھینچتے ہُوئے لا رہے تھے۔ بے چارہ بُوڑھا بار بار گِر پڑتا تھا۔ ڈاکو اُسے ٹھوکر مار کر اُٹھاتے اور چلنے پر مجبُور کرتے۔ دُوسرے ڈاکو قہقہے لگانے لگتے۔

اچانک لڑکی بابا کہہ کر جھاڑیوں سے نکل کر پُل کی طرف بھاگی۔ وہ بُوڑھا اُس کا باپ تھا۔ ڈاکوؤں نے لڑکی کو دیکھا تو فائر کر دیا۔ بُوڑھے حبشی نے بھی بیٹی کو دیکھ لیا تھا۔ وہ وہیں سے پُکارا:

"بیٹی! بھاگ جا! بھاگ جا!"

گولی لڑکی کے نہیں لگی تھی۔ اسی لمحے حاتم کی رائفل سے بھی گولی نکلی اور پُل پر کھڑا ایک ڈاکو لڑکھڑا کر ندی میں گِر گیا۔ دُوسری گولی سے ایک اور ڈاکو پُل پر اوندھے مُنہ لٹک گیا۔ باقی ڈاکو پُل پر لیٹ گئے۔ اب دونوں جانب سے گولیاں چلنے لگیں۔ لڑکی بھی زمین پر لیٹ گئی تھی۔ حاتم نے اسے آواز دے کر کہا کہ پیچھے آ جاؤ۔ لڑکی کھسکتی

ہُوئی برستی گولیوں میں حاتم کے پاس آ گئی۔

اچانک ایک ڈاکو نے بُوڑھے کی گردن پر پستول رکھا اور اُس کے پیچھے جا کر بُلند آواز سے بولا:

"اگر تُم نے فائرنگ بند نہ کی تو میں اِس بُوڑھے کو ہلاک کر دوں گا۔"

لڑکی نے حاتم سے گڑگڑا کر کہا "خُدا کے لیے گولی نہ چلانا۔ وہ میرے بابا کو قتل کر دیں گے۔"

حاتم نے رائفل نیچی کر لی۔ فائرنگ بند ہُوئی تو باقی تین ڈاکو بھی پُل پر سے اُٹھے اور بھاگ کر بُوڑھے کے پیچھے آ گئے۔ بُوڑھا آگے آگے تھا۔ ایک ڈاکو نے اُس کی گردن پر پستول رکھا ہُوا تھا۔ باقی ڈاکو اُس کے پیچھے تھے۔ وہ قدم قدم چلتے، پُل پار کر کے اُن جھاڑیوں کی طرف بڑھے جہاں حاتم مورچہ بنائے بیٹھا تھا۔ یہاں آ کر ڈاکوؤں کے سردار نے چلّا کر کہا:

"بندوق میری طرف پھینک دو۔ میں پانچ تک گِنوں گا۔ اگر تُم نے بندوق نہ پھینکی تو میں بُوڑھے کو قتل کرنے کا حکم دے دُوں گا۔ ایک۔ دو۔"

لڑکی نے حاتم سے کہا "بندوق پھینک دو۔ میرے

بابا کی زندگی خطرے میں ہے۔"

حاتم کیا کرتا، مجبور تھا۔ اُس نے رائفل جھاڑیوں سے باہر پھینک دی۔ ڈاکوؤں کے سردار نے آگے بڑھ کر رائفل اُٹھا لی اور بولا۔"لڑکی کو باہر بھیج دو۔"

حاتم جھاڑی سے نکل کر سامنے آگیا اور بولا، "تم مجھے پکڑ لو اور اس بُوڑھے اور اُس کی بیٹی کو چھوڑ دو۔"

سردار نے حاتم کو سر سے پاؤں تک گھور کر دیکھا اور پھر بولا" تم جو کوئی بھی ہو، ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ، اور لڑکی ہمارے حوالے کر دو۔نہیں تو یہ بُوڑھا زندہ نہیں بچے گا۔"

حاتم کچھ کہنے ہی والا تھا کہ لڑکی جھاڑیوں میں سے نکلی اور ڈاکوؤں کے سامنے آگئی۔ وہ رو رو کر کہ رہی تھی:

"مجھے پکڑ لو۔میں آگئی ہوں۔میرے بابا کو کچھ نہ کہنا۔ انھیں چھوڑ دو۔"

سردار نے دانت پیستے ہوئے کہا" تو تم زنجیریں توڑ کر نکل آئی ہو۔تمھیں اس شخص نے رہا کرایا ہوگا۔کوئی بات نہیں ۔اس دفعہ تُم کو اِتنی مُہلت

نہیں دُوں گا۔"

پھر اُس نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا" ان کو گرفتار کر لو!"

دو ڈاکو آگے بڑھے اور اُنھوں نے حاتم اور لڑکی کے ہاتھ پیچھے کرکے رسّی سے جکڑ دیے۔ سردار غرّایا:

"تم نے ہمارے دو ساتھیوں کو ہلاک کیا ہے۔ ہم تُمھیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

ڈاکو حاتم، لڑکی اور اس کے باپ کو لے کر آگے بڑھے۔ بُوڑھے کو انھوں نے پیچھے رکھا تھا کہ اگر حاتم کوئی ایسی ویسی حرکت کرے تو وہ فوراً بوڑھے کو گولی مار دیں۔

وہ جنگل میں سے گزرتے واپس اُسی پتھروں والے پُرانے مکان میں آ گئے۔ انھوں نے حاتم، لڑکی اور بوڑھے کے پاؤں میں زنجیریں ڈال دیں اور اُنھیں کوٹھڑی میں بند کرکے باہر تالا لگا دیا۔ اس کے بعد وہ ایک جگہ زمین کھودنے لگے۔ اُنھوں نے لُوٹا ہُوا مال زمین کے اندر دبایا اور واپس مکان میں آ گئے۔ سردار نے حبشی کی بیٹی سے کہا:

"اپنے باپ سے کہو کہ ہمیں خفیہ خزانے کا پتا بتا دے، نہیں تو ہم اس کے سامنے تمھیں ہلاک کر کے تمھاری لاش جنگلی درندوں کے آگے ڈال دیں گے۔ کہو اپنے باپ سے؟"

لڑکی سسکیاں بھر رہی تھی۔ اس کا باپ زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ ایک ڈاکو اس کی کنپٹی سے پستول لگائے پاس ہی بیٹھا تھا۔ بوڑھا بولا:

"میں خفیہ خزانے کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ میری بیٹی بھی کچھ نہیں جانتی۔"

سردار نے گرج کر کہا "پھر تمھاری جھونپڑی میں موتی کہاں سے آ گئے؟ وہ موتی خزانے کے موتی تھے۔"

بوڑھا کہنے لگا: "وہ موتی مجھے ندی کی ریت میں سے ملے تھے۔ میں کسی خزانے کی بابت کچھ نہیں جانتا۔"

سردار نے کڑک کر کہا "اسے گولی مار دو!"

اس سے پہلے کہ ڈاکو گولی چلائے، باہر زلزلہ سا آ گیا اور اس کے ساتھ ہی کسی نے بڑے زور سے دیوار کو دھکا دیا اور کمرے کی آدھی دیوار ڈھے

کر اندر گِر پڑی۔ اور پھر اچانک ہی حاتم نے ایک گوریلے کو دیکھا جو مُنھ سے گرج دار آوازیں نکالتا کوٹھڑی میں گھُس آیا تھا۔ یہ وہی گوریلا تھا جسے حاتم نے اژدہے سے نجات دلائی تھی!

اس نے آتے ہی سب سے پہلے اس ڈاکو کے سر پر زور سے مُکّا مارا جس نے بُوڑھے کو پکڑ رکھا تھا۔ اُس کے زبردست مُکّے سے ڈاکُو کی کھوپڑی ٹُوٹ گئی اور وہ زمین پر گر پڑا۔ دُوسرے ڈاکُو اندھا دُھند گولیاں چلاتے پیچھے ہٹنے لگے۔ اسی وقت حاتم نے اپنی زنجیریں توڑ ڈالیں۔ اس نے مرے ہُوئے ڈاکُو کا پستول اُٹھا کر ایک ڈاکُو کو گولی مار دی۔ جو ڈاکُو بچ گیا تھا اُسے گوریلے نے دونوں ہاتھوں سے اُوپر اُٹھایا اور پُوری طاقت سے سامنے والی دیوار پر دے مارا۔ گوریلے کے جسم میں کتنی ہی گولیاں لگ چکی تھیں۔ اس کے جسم سے خُون بہہ رہا تھا۔ حاتم نے لڑکی اور اس کے باپ کی زنجیریں بھی توڑ دیں اور پھر گوریلے کی طرف بڑھا۔ گوریلا فرش پر پڑا کراہ رہا تھا۔ اس کا سانس اُکھڑ رہا تھا۔ حاتم نے اس کا بالوں بھرا ہاتھ تھام کر کہا:

"میرے دوست! تُم نے دوستی کا حق ادا کر دیا۔"

گوریلا خلوص بھری نظروں سے حاتم کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اگر وہ انسان ہوتا تو حاتم سے کہتا "پیارے دوست تُم نے اژدہے سے میری جان بچائی تھی۔ میں نے اپنا فرض چُکا دیا۔ ہم جانور کسی کا احسان نہیں بھُولا کرتے۔" مگر وہ جانور تھا۔ انسان نہ تھا۔ انسان ہوتا تو شاید حاتم کا احسان بُھلا دیتا۔ اُس کے حلق سے وہی آواز ایک بار پھر نکلی۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا، مگر انسان کی طرح بول نہیں سکتا تھا۔ لڑکی اور اُس کا باپ اِس درد ناک منظر کو ڈبڈبائی ہُوئی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

گوریلے نے آخری سانس لیا اور اُس کی گردن ڈھلک گئی۔ مگر اُس کی آنکھیں ابھی تک کھُلی تھیں اور حاتم کو پیار بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ حاتم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اُس نے لڑکی اور اس کے باپ کو بتایا کہ اس گوریلے نے کتنی بڑی قربانی دی ہے۔ اُس نے انھیں اژدہے والا واقعہ سُنایا۔ پھر وہ گوریلے کی لاش کو اُٹھا کر مکان سے باہر لے آئے۔ اُنھوں نے زمین میں ایک بڑا سا گڑھا کھودا اور اس میں گوریلے کی لاش دفن کر دی۔

ڈاکوؤں کی لاشیں اِدھر اُدھر پڑی تھیں۔ حاتم نے اُنھیں وہیں رہنے دیا تاکہ وہ جنگلی درندوں اور گِدھوں کی خوراک بن سکیں۔ اُس نے لڑکی اور اُس کے باپ کو ساتھ لیا اور اُن کے گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔

ان کا سفر ایک رات کا تھا۔ ندی کے پار ایک جنگل میں رات پڑ گئی۔ وہیں بُوڑھے حبشی نے جھاڑیاں صاف کر کے سونے کے لیے جگہ بنا دی۔ حاتم کا تھیلا کہیں راستے میں ہی گر گیا تھا۔ یہاں انھوں نے جنگلی پھل توڑ کر کھائے اور چشمے کا پانی پی کر پیاس بجھائی۔ لڑکی اپنے باپ کے قریب ہی پتّوں پر لیٹ کر سو گئی۔ اُنھوں نے جنگلی درندوں سے بچنے کے لیے آگ جلا رکھی تھی۔

حاتم نے سینگوگ کی رُوح کے بارے میں بُوڑھے حبشی سے گفتگو شُروع کر دی۔ بُوڑھے نے بھی وہی باتیں بتائیں جو اُس کی بیٹی نے بتائی تھیں۔ بُوڑھے جنگلی نے حاتم سے پُوچھا کہ وہ سینگوگ جادوگر کی رُوح سے کس لیے ملنا چاہتا ہے؟

حاتم نے اُسے بتایا کہ اُسے شارجہ کی ممی نے بھیجا ہے جو بغداد کی ایک ویران حویلی کے تہہ خانے کے

اندر تابوت میں بند ہے۔ شارجہ کا نام سُن کر بُوڑھا حبشی کچھ چونکا اور بولا:

"اے حاتم، میرے بیٹے، تُم اپنے آپ کو کیوں مصیبت میں ڈال رہے ہو؟"

حاتم نے پُوچھا "کیوں؟ اس میں مُصیبت کی کون سی بات ہے؟ شارجہ کو سینگوگ جادُوگر نے ایک تعویذ دیا تھا۔ وہ اس تعویذ کے اثر سے اب تک زندہ ہے۔ مگر جب تک سینگوگ کی رُوح اس کا علاج نہیں کرتی، وہ دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتی۔"

بُوڑھے حبشی نے کہا "تمھارے پاس کوئی ثبُوت ہے کہ تمھیں شارجہ نے بھیجا ہے؟"

حاتم نے شارجہ کی انگوٹھی نکال کر حبشی کو دِکھائی۔ "یہ دیکھو۔ یہ شارجہ کی انگوٹھی ہے۔ اس نے کہا تھا یہ میرے ماں باپ کو دے دینا۔"

بُوڑھے حبشی نے افسوس سے سر ہلاتے ہُوئے کہا "یہ انگوٹھی شارجہ ہی کی ہے۔ مَیں اسے جانتا ہُوں۔ شارجہ ہمارے ہی گاؤں کی لڑکی تھی۔ اس کے ماں باپ کو جادُوگر پاٹلی نے ہلاک کر کے اُن کی زمینوں پر قبضہ کر لیا ہے۔"

حاتم نے کہا "سینگوگ کی رُوح نے پاٹلی جادُوگر کو کچھ نہیں کہا؟"

حبشی بولا "افریقہ میں جب کوئی جادُوگر مر جاتا ہے تو اُس کی رُوح کو منتر پڑھ کر دُوسرا زندہ جادُوگر اپنے قبضے میں کر سکتا ہے۔ مرے ہُوئے جادُوگر کی رُوح زندہ جادُوگر کی غلام ہو جاتی ہے۔ اس وقت افریقہ میں سب سے بڑا جادُوگر پاٹلی ہی ہے۔ سینگوگ کی رُوح اُس کی غلام ہے۔ جو وہ کہتا ہے وہ مانتی ہے۔ اسی لیے سینگوگ کی رُوح پاٹلی جادُوگر کی مرضی کے خلاف شارجہ کی کوئی مدد نہیں کر سکے گی۔ بلکہ اگر جادُوگر پاٹلی کو معلوم ہو گیا کہ شارجہ ابھی زندہ ہے تو وہ سینگوگ کی رُوح کو حکم دے کر شارجہ کو بھی ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سُلا دے گا۔"

حاتم کے لیے یہ عجیب حالات تھے۔ اب اُسے سینگوگ کی رُوح سے نہیں، پاٹلی جادُوگر سے مُقابلہ کرنا ہوگا۔ اُس نے بوڑھے حبشی سے پُوچھا کہ کوئی ایسی صُورت ہے جس پر عمل کر کے سینگوگ کی رُوح سے الگ ملا جائے اور اُسے شارجہ

کے بارے میں بتایا جائے کہ وہ اس کی مدد چاہتی ہے۔

بوڑھا حبشی بولا "پاٹلی جادوگر کے پاس ایک طلسمی مُہرہ ہے۔ اس مُہرے کو وہ ہر وقت اپنے مُنھ میں رکھتا ہے۔ اگر کسی طرح تُم اس مُہرے کو اپنے قبضے میں کر لو اور پھر افریقہ کے جنوب میں سیاہ پہاڑ پر کالکا جادُوگرنی کے غار میں جا کر اُس کے مُنھ میں یہ مُہرہ ڈال دو تو پاٹلی کا جادُو ختم ہو جائے گا۔ سینگوگ کی رُوح پاٹلی کی قید سے آزاد ہو جائے گی۔ پھر تُم اُس سے مل کر شارجہ کی جان بچا سکو گے۔"

حاتم نے پُوچھا "سیاہ پہاڑ کو کون سا راستہ جاتا ہے اور میں کالکا سے اس کے غار میں کیسے مُلاقات کر سکوں گا؟"

بُوڑھا حبشی بولا "اس کے لیے تمھیں ایک زبردست آزمائش سے گُزرنا ہوگا۔ کالکا بڑی خُوں خوار جادُوگرنی ہے۔ وہ رات کو اپنے غار میں آ کر ایک مُورتی کے آگے رقص کرتی ہے۔ وہ مُورتی جنگل میں جا کر کسی مُسافر کو گھیر کر غار میں لے آتی ہے اور

کالکا اس کو ہڑپ کرکے واپس چلی جاتی ہے۔"

"وہ آزمائش کون سی ہے؟"

"وہ آزمائش یہ ہے کہ تمھیں کالکا کے غار تک پہنچنے کے لیے ایک خطرناک آدم خور چڑیل کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ یہ چڑیل تمھیں سیاہ پہاڑ کے دامن میں کالکا کے غار کے قریب ملے گی۔ وہ تمھارا راستہ روکے گی، اور تم سے باتیں کرے گی۔ اگر تم نے اُس کی کسی بات کا جواب دے دیا تو وہ تمھارا کلیجا نکال کر کھا جائے گی اور چاہے تم کتنے بھی طاقتور کیوں نہ ہو، اس کے حملے سے زندہ نہ بچ سکوگے۔ اگر تم مر نہیں سکے تو پھر وہ تمھیں پتھر کا بنا دے گی اور تم جب تک یہ دُنیا قائم ہے، وہاں پتھر بنے کھڑے رہوگے، اور یہ موت سے بدتر حالت ہوگی۔"

"ہاں، یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ یہ تو موت سے بھی بُری حالت ہوگی۔ میں تمھارا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ تم نے مجھے اِتنا کچھ بتا دیا۔"

بُوڑھے حبشی نے کہا "تمھارا سب سے پہلا کام پاٹلی جادُوگر کے مُنھ سے طلسمی مُہرہ نکالنا

ہے۔ اس بارے میں تمھاری میں کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔ یہ کام تمھیں خود کسی طریقے سے کرنا ہوگا۔"

حاتم نے پوچھا "پاٹلی جادوگر سوتے وقت بھی طلسمی مُہرہ منہ میں ہی رکھتا ہے؟"

"یہ میں نہیں جانتا، لیکن میں نے اس کے ایک نوکر سے سُنا ہے کہ وہ طلسمی مُہرے کو منہ سے کبھی نہیں نکالتا۔ جب وہ کھانا کھاتا ہے تو مُہرہ منہ میں ایک طرف کر لیتا ہے، کیونکہ اسی مُہرے میں اس کی جان اور اس کا سارا جادُو ہے۔ وہ اسے اپنے سے الگ کرنے کا خطرہ کبھی مول نہیں لے سکتا۔"

رات زیادہ ہو گئی تھی۔ بُوڑھے حبشی کو نیند آ رہی تھی۔ حاتم بھی کچھ دیر آرام کرنا چاہتا تھا۔ لڑکی تو بے فکر ہو کر سو رہی تھی۔ بیٹی کے سر پر باپ کی حفاظت کا ہاتھ ہو تو وہ اسی طرح سکون سے سویا کرتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد حاتم بھی نیند کی دُنیا میں کھو چکا تھا۔

آگ کا شُعلہ

دُوسرے دن حاتم سُرخ دریا پر پہنچ گیا۔

لڑکی اور اس کے باپ کا گاؤں دریا کے دُوسرے کنارے پر تھا۔ دریا کا پانی سُرخ تھا، جیسا کہ سیلاب کے دنوں میں شمالی افریقہ کے دریاؤں کا رنگ ہو جاتا ہے۔ اس دریا میں سُرخ چٹانوں کی مٹّی ملی ہوئی تھی۔ دریا پر کوئی پُل نہیں تھا۔ انھوں نے ایک کشتی میں دریا پار کیا۔ بُوڑھے کا گاؤں دُوسری طرف، دریا سے تھوڑے فاصلے پر تھا۔ یہاں حاتم نے ایک رات آرام کیا اور اگلے روز سُرخ چٹانوں کی طرف پاٹلی جادُوگر سے طلسمی مُہرہ حاصل کرنے کے لیے روانہ ہو گیا۔

پاٹلی جادُوگر سُرخ چٹانوں پر ایک بڑے مکان میں رہتا تھا۔ حاتم نے سوچا کہ اُسے بھیس بدل کر جانا چاہیے۔ اُس نے اپنا شکاری لباس ایک جگہ

پتھروں میں چھپا دیا، بندوق بھی وہیں رکھ دی اور فقیروں ایسا حُلیہ بنا کر پاٹلی جادُوگر کے علاقے میں داخل ہو گیا۔ یہاں جاہل عورتیں اور مرد پاٹلی جادُوگر سے تعویذ گنڈا لینے کے لیے قطاریں بنا کر کھڑے تھے۔ حاتم بھی ان کے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا۔

پاٹلی جادُوگر مکان کے اندر ایک چبوترے پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ ایک کالی بلّی اُس کی گود میں بیٹھی تھی جو سبز آنکھوں سے ہر آنے والے کو گھُورتی تھی۔ جب حاتم کی باری آئی تو اُس نے اندر جا کر پاٹلی کو ادب سے سلام کیا اور کہا:

"اے عظیم جادُوگر! میں شہر بغداد کا ایک دولت مند سوداگر تھا۔ بیسیوں نوکر چاکر میری خدمت کرتے تھے۔ لیکن پھر میرا تجارتی جہاز ڈُوب گیا اور میں برباد ہو گیا۔ میں آپ کی شُہرت سُن کر یہاں آیا ہُوں اور باقی عُمر آپ کی خدمت میں بسر کرنا چاہتا ہُوں۔ اب مجھے دُنیا کی دولت کا کوئی لالچ نہیں۔"

پاٹلی جادُوگر کے لمبے بال اس کے شانوں پر

بکھرے ہُوئے تھے۔ اُس نے غور سے حاتم کو دیکھا، مگر اُس کی اصلیّت کو نہ سمجھ سکا۔ وہ یہی سمجھا کہ حاتم سچ کہہ رہا ہے اور اس کی خدمت کرنا چاہتا ہے۔ اُس نے مُسکرا کر کہا:

"تُمھارا نام کیا ہے؟"

حاتم نے کہا "حاتم میرا نام ہے۔"

"ٹھیک ہے تُم ہمارے غلام بن کر یہاں رہ سکتے ہو۔"

حاتم بڑا خُوش ہُوا اور سلام کرکے باہر نکل گیا۔ اب وہ ہر وقت پاٹلی جادُوگر کی ٹہل سیوا میں لگا رہتا تھا۔ اسی طرح پاٹلی کی خدمت کرتے ایک مہینا گزر گیا، لیکن حاتم اُس کے مُنھ میں رکھا ہُوا طلسمی مُہرہ نہ چُرا سکا۔ جب وہ تنگ آ گیا تو ایک رات اُس نے دُعا مانگی کہ اے خُدا! میری مدد کر۔ میں ایک لڑکی کی مدد کرنے اور ایک ظالم کو سزا دلوانے کے لیے یہاں آیا ہُوں۔ اس رات خواب میں حاتم کے سامنے ایک بزُرگ ظاہر ہُوئے اور اُنھوں نے فرمایا:

"اے حاتم، یہ جادُوگر تجُھ سے بُہت طاقتور ہے۔ تو اس طرح اگر چھ سال بھی یہاں رہ کر کوشش کرتا رہا تو کامیاب نہیں ہوگا۔"

حاتم نے کہا "اے بزُرگِ محترم، پھر میں کیا کرُوں؟"

بزُرگ نے کہا "یہ لے۔ میں تجُھے ایک پتّھر کا مُہرہ دیتا ہُوں۔ جب رات کو جادُوگر سو جائے تو یہ مُہرہ اُس کے مُنھ میں ڈال کر طِلسمی مُہرہ نکال لینا۔"

حاتم نے کہا "لیکن حضُور، اگر وہ جاگ اُٹھا تو مُجھے جادُو کے زور سے پتّھر بنا دے گا۔"

بزُرگ نے حاتم کے کان میں ایک لفظ بتا کر کہا "اسے دس بار پڑھ کر جادُوگر کے چہرے پر پھُونک دینا۔ وہ صُبح تک بے ہوش رہے گا۔" اتنا کہہ کر بزُرگ غائب ہو گئے اور حاتم کی آنکھ کھُل گئی۔ کیا دیکھتا ہے کہ اُس کی مُٹھّی میں ایک سبز رنگ کا مُہرہ ہے۔ وہ اسے غور سے دیکھنے لگا۔ اس کو وہ لفظ بھی یاد آ گیا جو اُس کو جادُوگر کے چہرے پر پھُونکنا تھا۔ وہ بہت خُوش ہُوا اور

رات کا اِنتظار کرنے لگا۔

جب سُورج ڈُوب گیا اور رات چھا گئی تو حاتم اپنی کوٹھڑی میں جا کر لیٹ گیا۔ مکان کی سیڑھیاں اس کی کوٹھڑی کے پیچھے تھیں۔جب رات کے بارہ بج گئے اور ہر طرف اندھیرا پھیل گیا تو وہ اپنی کوٹھڑی سے نکل کر دبے پاؤں چلتا مکان کی سیڑھیوں پر آیا۔ یہاں کوئی نہ تھا۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر چبوترے پر آ گیا۔ یہاں ایک پہرے دار پتھر پر بیٹھا اُونگھ رہا تھا۔حاتم اس کے قریب سے دبے پاؤں گزر گیا۔ آگے مکان کی ڈیوڑھی تھی اور ڈیوڑھی کے پاس ہی پاٹلی جادُوگر کا کمرا تھا۔

حاتم جُوں ہی ڈیوڑھی میں پہنچا، ایک پہرے دار نے اس کو پکڑ لیا۔ حاتم کو صرف ایک ہی خطرہ تھا کہ کہیں پہرے دار شور نہ مچا دے۔ اُس کا شور سُن کر پاٹلی جادُوگر باہر آ سکتا تھا اور پھر وہ حاتم کو وہیں پتھر بنا دیتا۔ حاتم نے فوراً پہرے دار کو گردن سے دبوچ لیا اور اُس وقت چھوڑا جب وہ بے ہوش ہو گیا۔

اب میدان خالی تھا۔ سامنے جادُوگر کی کوٹھڑی تھی۔ حاتم نے بزرگ کے لفظ کو یاد کیا، خُدا کا نام لیا اور کوٹھڑی کے دروازے کو آہستہ سے کھول دیا۔ جادُوگر پاٹلی ایک شاندار بستر پر پڑا، خرّاٹے لے رہا تھا۔ حاتم پھُونک پھُونک کر پاؤں اُٹھاتا اُس کے سرہانے جا کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اُس نے بزرگ کا بتایا ہُوا لفظ دل میں سات بار پڑھ کر جادُوگر کے چہرے پر پھُونک ماری۔ اُس کے خرّاٹے بند ہو گئے۔ حاتم نے جُھک کر غور سے اُسے دیکھا۔ جادُوگر ہلکے ہلکے سانس لے رہا تھا۔ شاید وہ حاتم کی پھُونک کے اثر سے بے ہوش ہو گیا تھا۔ پھر بھی حاتم اس کے مُنھ کو ہاتھ لگاتے ہُوئے گھبرا رہا تھا کہ کہیں کم بخت ہڑبڑا کر اُٹھ نہ بیٹھے۔

وقت گُزرتا جا رہا تھا۔ حاتم نے آہستہ سے جادُوگر کے مُنھ پر اُنگلی رکھ دی۔ اُسے کچھ پتا نہ چلا۔ حاتم کو یقین ہو گیا کہ جادُوگر بے ہوش ہو چُکا ہے۔ اس نے آہستہ سے اُس کا مُنھ کھول دیا۔ طلسمی مُہرہ اُس کے دائیں گال میں دبا ہُوا تھا۔ حاتم نے دو اُنگلیاں اُس کے مُنھ میں ڈال کر مُہرہ

باہر نکال لیا اور اُس کی جگہ پتھّر کا مُہرہ ڈال دیا۔ یہ حاتم کی پہلی فتح تھی۔ وہ بہت خُوش ہُوا۔ پاٹلی جادُوگر کا طِلسم اب ختم ہو چُکا تھا۔ اُس نے طِلسمی مُہرہ جیب میں رکھا اور جادُوگر کے مکان سے نِکل کر سیدھا چٹانوں میں چلا گیا۔ یہاں اُس نے گڑھے میں سے کپڑے نکال کر پہنے، بندوق کندھے سے لٹکائی اور کوہِ سیاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

اگرچہ حاتم کے ہاتھ پاٹلی جادُوگر کا طِلسمی مُہرہ آ گیا تھا مگر اُس کا جادُو پُوری طرح ختم نہیں ہُوا تھا۔ حاتم کو ابھی یہ طِلسمی مُہرہ کالکا جادُوگرنی کے مُنھ میں رکھنا تھا۔ اس کے بعد پاٹلی جادُوگر کا جادُو ختم ہو جانا تھا۔ حاتم کو کوہِ سیاہ تک پہنچنا تھا جو جنوبی افریقہ کے جنگلوں میں تھا۔ راستے میں اُسے آدم خور چُڑیل کی آزمائش سے بھی گزرنا تھا۔

وہ رات کے اندھیرے میں آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ ساری رات سفر کرتا رہا۔ صُبح ہُوئی تو وہ سُرخ چٹانوں کی وادی سے نکل کر ایک کھُلے

میدان میں پہنچ چکا تھا۔ یہی وہ علاقہ تھا جہاں حاتم نے اپنی جیپ ایک پہاڑی کے دامن میں کھڑی کی تھی۔ وہ جیپ میں بیٹھ گیا۔ ساری رات کے سفر نے تھکا دیا تھا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ حاتم نے وہیں درختوں کے پھل توڑ کر کھائے اور تھوڑی دیر آرام کرنے کے لیے لیٹ گیا۔ وہ دوپہر تک سوتا رہا۔ جب اُٹھا تو ہشاش بشاش تھا۔ سفر کی تکان دُور ہو چکی تھی۔ وہ جیپ سٹارٹ کر کے اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔

راستے میں وہ ایک پھلوں کے باغ کے قریب سے گزرا۔ یہاں ایک ندی بہہ رہی تھی۔ پاس ہی ایک گاؤں تھا۔ اُس نے گاؤں کے لوگوں سے جُوار کی روٹی اور اچار لے کر کھایا، کوہِ سیاہ کے بارے میں معلومات حاصل کیں، کچھ روٹیاں، اچار اور پانی ساتھ لیا اور آگے روانہ ہوا۔

شام تک وہ میدانوں میں سفر کرتا رہا۔ آخر رات آگئی۔ وہ آرام کرنے کی غرض سے ایک جگہ جیپ کھڑی کر کے باہر نکلا اور زمین پر کمبل بچھا دیا۔ پھر آگ جلائی، روٹی گرم کر کے اچار کے ساتھ کھائی، پانی پیا،

کافی پی۔ پھر لیٹ کر کوہِ سیاہ اور آدم خور چڑیل کے بارے میں غور کرنے لگا۔

رات کے دس بج رہے تھے کہ حاتم کو نیند آ گئی۔ پچھلے پہر چار بجے اُس کی آنکھ کھُلی۔ اِردگِرد خاموشی تھی۔ آسمان پر بادل چھائے ہُوئے تھے۔ لیکن بارش نہیں ہوئی تھی۔ دُور بادلوں میں کسی وقت بجلی چمک جاتی تھی۔ اُس کی نیند پُوری ہو چُکی تھی۔ اس نے بستر لپیٹ کر جیپ میں رکھا اور اسے سٹارٹ کرکے آگے روانہ ہو گیا۔

دن کی روشنی پھیلنے تک وہ میدانی علاقے سے نکل کر ایک بار پھر گھنے درختوں کے علاقے میں داخل ہو گیا تھا۔ یہاں درخت تھوڑے تھوڑے فاصلے پر اُگے ہُوئے تھے، لیکن تھے بڑے تناور اور گھنے۔ شاخیں زمین کو چُھو رہی تھیں اور ان پر گِدھ بیٹھے تھے۔ وہ آگے بڑھتا گیا۔ وہ درختوں کے بیچ میں سے گُزر کر جا رہا تھا۔ اسی طرح سفر کرتے کرتے جب تین دن گُزر گئے تو چوتھے روز وہ ایک پہاڑ کے سامنے آ گیا۔ اس پہاڑ کا رنگ گہرا سیاہ تھا اور وہ گہرے سیاہ رنگ کے درختوں اور

جھاڑیوں سے پُورے کا پُورا ڈھکا ہُوا تھا۔
یہی وہ کوہِ سیاہ تھا اور یہی حاتم کی منزل تھی۔
اسی پہاڑ پر کالکا کا غار تھا، اسی کے دامن میں کسی جگہ حاتم کو آدم خور چُڑیل کا مُقابلہ کرنا تھا۔
حاتم کو بتایا گیا تھا کہ وہ آدم خور چُڑیل کو شکست دیے بغیر کالکا کے غار میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ آدم خور چُڑیل اسے جنگل میں کسی نہ کسی جگہ ضرور گھیر لے گی۔
حاتم نے اپنی طرف سے بہت تیاری کر لی تھی اور اُس نے چُڑیل کو شکست دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ دوپہر کے وقت وہ سیاہ پہاڑ کی وادی میں پہنچ گیا۔ یہاں بے شمار جھاڑیاں اور درخت ایک دُوسرے میں گُتھے ہُوئے تھے۔
جب حاتم اُس جگہ پہنچا جہاں سے ایک راستہ سیاہ پہاڑ کی طرف جاتا تھا تو اُس نے محسُوس کیا کہ جنگل میں ایک سناٹا سا چھا گیا ہے۔ پتّا تک حرکت نہیں کر رہا تھا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد بادل بڑے زور سے گرجا اور ہلکی ہلکی بُوندا باندی شُروع ہو گئی۔ حاتم جیپ کو ایک گھنے درخت کے نیچے

لے آیا۔ اس کا خیال تھا کہ ذرا بارش تھمے تو وہ سیاہ پہاڑ پر چڑھنا شروع کرے۔

رِم جِھم بارش ہو رہی تھی۔ حاتم نے آگ جلائی، روٹی گرم کر کے کھائی اور جب وہ کافی پی رہا تھا تو اُسے کسی عورت کی آواز سُنائی دی۔ عورت نے حاتم کو اس کا نام لے کر پُکارا تھا۔ حبشی بُوڑھے نے حاتم کو بتایا تھا اس آدم خور چُڑیل کو اس کا نام معلُوم ہوگا۔ حاتم نے کوئی جواب نہ دیا اور آگ پر کیتلی رکھ کر ساتھ ہی ایک خالی پیالی بھی رکھ دی۔ وہ سمجھ گیا کہ آدم خور چُڑیل آ گئی ہے اور اُس کی آزمائش شرُوع ہو چُکی ہے۔ اُس نے اپنے آپ کو ہر حالت کا مُقابلہ کرنے کے لیے تیّار کر لیا تھا۔ وہ ایک ایک گھُونٹ کر کے کافی پینے لگا۔ درخت کی شاخوں پر بارش کی بُوندیں گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ اس کے سِوا اور کوئی آواز نہ تھی۔

چُڑیل کی آواز پھر آئی :

"حاتم! بولتے کیوں نہیں ؟ کہاں ہو تم ؟"

حاتم خاموش بیٹھا کافی پیتا رہا۔ اِتنے میں اُس نے

دیکھا کہ ایک بڑی ہی خوب صورت عورت سامنے آ کر کھڑی ہو گئی ہے۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ حاتم نے اس کی طرف دیکھا اور پھر خاموشی سے کافی پینے لگا۔

عورت حاتم کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے پاؤں اُلٹے تھے۔ اُس نے حاتم سے سوال کرنے شروع کر دیے تاکہ وہ کسی سوال کا جواب دے۔ لیکن حاتم اپنی جگہ پر مضبوطی سے جما ہُوا تھا۔ چڑیل کہنے لگی:

"موسم بہت خراب ہے۔ تُم کب تک یہاں بیٹھے رہو گے؟"

حاتم نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ پھر بولی:

"کیا کافی گرم ہے؟ میں پی لُوں؟"

حاتم نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے کافی کی چُسکیاں لیتا رہا۔ چُڑیل نے کیتلی اُٹھا کر خالی پیالی میں کافی ڈالی اور پینے لگی۔

"واہ! بڑی عُمدہ کافی ہے۔ یہ تُم نے کہاں سے خریدی تھی؟"

حاتم کچھ نہ بولا، چڑیل نے کہا:

"پاٹلی جادُوگر تمھارے پیچھے پیچھے آ رہا ہے۔"

حاتم خاموش رہا۔ وہ بولی:

"طلسمی مُہرہ تو تُم پیچھے ہی چھوڑ آئے ہو۔"

حاتم جانتا تھا کہ چڑیل اُس کے بولنے کا اِنتظار کر رہی ہے کہ کسی طرح وہ بولے اور وہ اسے پتّھر بنا دے، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ کیونکہ حاتم کو وہ مار نہیں سکتی تھی۔ چڑیل بھی تنگ آ گئی تھی۔ حاتم بالکل نہیں بول رہا تھا۔ چڑیل نے ایک آخری وار کیا۔ اچانک چیخ مار کر بولی:

"سانپ! سانپ! تمھارے پیچھے سانپ ہے!"

حاتم چُپ بیٹھا کافی پیتا رہا۔ اب چڑیل نے حاتم کی نقل اُتارنی شروع کر دی۔ اُس نے پیالی زمین پر رکھی تو چڑیل نے بھی رکھ دی۔ حاتم کھانسا تو چڑیل بھی کھانسنے لگی۔ حاتم نے سر پر ہاتھ پھیرا تو چڑیل بھی اپنے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

اس وقت حاتم کو ایک ترکیب سُوجھی۔ اُس نے پاس پڑی ہُوئی بندُوق اُٹھائی۔ اُس میں کارتُوس بھرے ہُوئے تھے۔ وہ بندُوق کی نال مُنہ میں لے کر اُسے حُقّے کی طرح پینے لگا۔ چڑیل اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ اُس نے بندُوق زمین پر رکھی تو چڑیل نے اُسے اُٹھایا اور اس کی نال مُنہ

میں ڈال کر حُقّے کی طرح پینے لگی۔ حاتم نے ہاتھ آگے بڑھا کر بندُوق کا گھوڑا دبا دیا۔

ایک زبردست دھماکا ہُوا، گولی چل گئی اور اس کے ساتھ ہی چُڑیل کی کھوپڑی اُڑ گئی۔ حاتم چڑیل کی لاش کو غور سے دیکھنے لگا۔ اُس کی شکل اب ڈراؤنی ہو گئی تھی۔ سر کے اُوپر کا حِصّہ اُڑ گیا تھا۔ جسم ربڑ کی طرح سُکڑنے لگا اور پھر چیونگ گم کی طرح سمٹ کر اکٹھا ہو گیا۔ پھر اس میں سے دُھواں نکلنے لگا۔ جب دُھواں ختم ہُوا تو حاتم نے دیکھا کہ زمین پر سِوائے ایک سیاہ دھبّے کے اور کچھ نہیں۔ ٹھیک اسی وقت سارا جنگل چُڑیل کی چیخوں سے گُونج اُٹھا۔ یہ چیخیں بڑی بھیانک تھیں۔

آخر یہ چیخیں مدھم ہوتے ہوتے غائب ہو گئیں۔ چُڑیل مر چُکی تھی۔ حاتم آزمائش میں پُورا اُترا تھا۔ اب کالکا کے غار تک کا راستہ صاف تھا۔ وہ جیپ میں بیٹھا اور کوہِ سیاہ کے دامن میں اس جگہ آ گیا جہاں سے ایک پیچ دار راستہ اُوپر کالکا کے غار کو جاتا تھا۔ اس نے جیپ وہیں ایک درخت کے نیچے چھپا دی

اور پہاڑ کی چڑھائی چڑھنے لگا۔

اب اس کی مُہم کا سب سے خطرناک حِصّہ شرُوع ہونے والا تھا۔ ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ وہ جھاڑیوں اور پتھروں سے گزرتا اُوپر بڑھتا جا رہا تھا۔ جب وہ پہاڑ کے اُوپر پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ پہاڑ کے اندر ایک بڑا سا غار ہے۔ ضُرور یہی کالکا کا غار ہے جہاں وہ رات کے اندھیرے میں آتی ہے۔ حاتم غار کے اندر داخل ہو گیا۔ غار ایک سُرنگ کی طرح آگے جا کر کُھل گیا تھا۔ یہاں حاتم نے ایک پتّھر کی مُورتی دیکھی جو چبوترے پر بنی ہُوئی تھی۔

یہی وہ مُورتی تھی جس کے سامنے آدھی رات کو کالکا رقص کرتی تھی اور پھر مُورتی ایسی شُعاعیں چھوڑتی تھی کہ آس پاس سے کوئی نہ کوئی مُسافر اپنے آپ غار کی طرف چل پڑتا تھا اور جب وہ غار میں آتا تو کالکا اُسے ہڑپ کر جاتی۔

حاتم نے مُورتی کو غور سے دیکھا۔ یہ ایک کالے رنگ کی عورت کی مُورتی تھی جس کی آنکھوں میں کالے ہیرے جڑے گئے تھے۔ خُدا جانے یہ کس نے بنائی تھی۔

بہرحال، یہ جادُو کی مُورتی تھی، اوراُس کے سامنے کالکا آکر رقص کرتی تھی۔ اب حاتم کو اس غار میں چھُپ کر کالکا کا اِنتظار کرنا تھا۔

حاتم غار سے باہر نکل آیا۔ پہاڑ پر اُس نے جنگلی بیروں کے درخت تلاش کیے۔ ایک جگہ پانی پتھروں میں بہہ رہا تھا۔ حاتم نے بیر توڑ کر کھائے اور پانی پیا۔ پھر مُنھ ہاتھ دھویا اور وہیں پتھروں پر لیٹ گیا۔ بُوندا باندی ختم ہو چُکی تھی، مگر بادل آسمان پر چھائے ہُوئے تھے۔

وہ شام تک سویا رہا۔ جب اُٹھا تو پہاڑ پر اندھیرا پھیل چُکا تھا۔ یہاں بھی جھاڑیاں اور درخت سیاہ رنگ کے تھے۔ اُن کے پتّے اور شاخیں بھی سیاہ کالی تھیں۔ جب سے حاتم یہاں آیا تھا، اُس نے انسان تو انسان کہیں کوئی بکری بھی پتّے کھاتی نہیں دیکھی تھی۔ بڑا سُنسان اور ویران پہاڑ تھا۔ رات آ گئی تو پہاڑ اور زیادہ دہشت ناک لگنے لگا۔ حاتم نے باقی بچے ہُوئے کُچھ بیر کھائے، پانی پیا اور خُدا کا نام لے کر غار میں چلا گیا۔

وہ مُورتی کے چبُوترے کے سامنے ایک جگہ دیوار

کے شگاف میں چھپ کر بیٹھ گیا اور کالکا کے آنے کا اِنتظار کرنے لگا۔ اسی طرح ساری رات گزر گئی مگر کالکا نہ آئی۔ دن کو حاتم غار سے باہر آ گیا۔ وہ پہاڑی سے اُتر کر نیچے اپنی جیپ کے پاس گیا اور کافی بنا کر پی۔ پھر جیپ میں لیٹ کر سو گیا۔ سارا دن اُس نے سو کر اور کبھی جاگ کر گزار دیا۔ رات کو پھر پہاڑی غار میں آ کر چھپ گیا۔

وہ رات بڑی اندھیری تھی۔ آسمان پر بادل چھائے ہُوئے تھے۔ گیارہ بجے کے قریب بارش شرُوع ہو گئی۔ بجلی کڑک رہی تھی۔ بادل گرج رہے تھے۔ مُوسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ پہاڑی پر سے برساتی نالے شور مچاتے بہہ رہے تھے۔ حاتم مُورتی کے قریب ہی دیوار کے پتھروں میں چھُپا بیٹھا اُس کو دیکھ رہا تھا۔ اندھیرے میں وہ ایک سائے کی طرح دِکھائی دے رہی تھی۔ حاتم کو یقین تھا کہ آج کی رات کالکا ضرُور آئے گی اور پھر ایسا ہی ہُوا۔

جب رات آدھی گزر گئی تو غار کے اندر ہلکی سی روشنی ہُوئی۔ حاتم چوکنّا ہو کر بیٹھ گیا۔ یہ روشنی غار کے پیچھے کی جانب سے آ رہی تھی۔ آہستہ آہستہ

روشنی آگے بڑھنے لگی۔ پھر کسی کے پاؤں میں بندھے گھنگھروؤں کی چھن چھن سُنائی دی۔ حاتم آنکھیں کھولے جدھر سے روشنی آ رہی تھی، اُدھر دیکھ رہا تھا۔ اِتنے میں اُس نے دیکھا کہ ایک عورت ہاتھ میں موم بتّی پکڑے چلی آ رہی ہے۔ روشنی اس کے سیاہ چہرے پر پڑ رہی تھی۔ یہ کالی کلوٹی ڈراؤنی شکل والی عورت تھی۔ اس کے پاؤں میں گھُنگھرو بندھے تھے جو چلتے میں چھن چھن بج رہے تھے۔

یہی کالکا تھی! خُوں خوار کالکا! اس کے سیاہ بال کھُلے تھے اور سامنے کے دو لمبے نوکیلے دانت ہونٹوں سے باہر نکلے ہُوئے تھے۔ بُوڑھے حبشی نے بتایا تھا کہ کالکا مُورتی کے آگے رقص کرتی ہے، جس سے خوش ہو کر وُہ جادُو کے زور سے کسی اِنسان کو غار میں لے آتی ہے۔ اگر باہر کوئی انسان نہ ہو تو پھر کہیں سے انسانی گوشت لا کر کالکا کو پیش کرتی ہے۔ کالکا گوشت کھا کر گہری نیند سو جاتی ہے۔ اُسی وقت حاتم نے طلسمی مُہرہ اس کے مُنھ میں ڈالنا تھا۔ یہ بڑا مشکل کام تھا۔ مگر حاتم کو یہ کام ہر حالت میں کرنا تھا۔ وہ اسی لیے اِتنی مُصیبتیں

برداشت کرکے یہاں پہنچا تھا۔
کالکا نے موم بتّی مُورتی کے آگے رکھ دی۔ پھر اُس نے رقص کرنا شرُوع کر دیا۔ وہ بار بار مُورتی کے گِرد چکّر لگاتی اور ہر بار اس کے سامنے آ کر سر جُھکا دیتی۔ جب رقص کرتے کرتے کالکا تھک گئی تو مُورتی کے جسم میں حرکت پیدا ہُوئی۔ اُس نے مُسکرا کر کالکا کی طرف دیکھا اور کہا :

"کالکا، میں تیرے رقص سے بُہت خُوش ہُوئی ہُوں۔ اب تو غار میں اپنی کوٹھڑی میں جا اور اِنتظار کر۔ میں تیرے پاس ایک انسانی شکار بھیجوں گی۔"

کالکا نے سر جُھکایا اور جِدھر سے آئی تھی اُدھر چلی گئی۔ اُس کے جاتے ہی مُورتی سے سُرخ شُعاعیں نکلنے لگیں۔ پھر یہ شُعاعیں غار سے باہر نکل گئیں۔ حاتم کے پاس طلسمی مُہرہ تھا۔ اِس لیے اس کو نہ تو کالکا دیکھ سکتی تھی اور نہ مُورتی کے جادُو کا کوئی اثر ہو سکتا تھا۔ وہ پتھروں کے پیچھے چُھپا یہ سارا تماشا دیکھ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد غار میں ایک سُرخ روشنی کا گولا داخل ہُوا جو سیدھا مُورتی کے سر کے اُوپر آ کر گھُومنے

لگا۔ پھر اِس گولے میں سے زرد رنگ کی شُعاعیں نِکل کر مُورتی کے سر پر گرنے لگیں۔ مُورتی نے پُوچھا:

"کیا میرے طلسمی دائرے میں آج کوئی نہیں؟"

سُرخ گولے میں سے آواز آئی "آج میری طاقت جواب دے گئی۔ مجھے ایک اِنسان کی بُو یہاں سے آ رہی ہے۔ مگر حیرانی کی بات ہے کہ وہ اِنسان کہیں نظر نہیں آتا!"

مُورتی نے کہا "کیا دُنیا میں کوئی ایسا انسان بھی ہو سکتا ہے جو تمھیں دِکھائی نہ دے؟"

سُرخ گولے کی آواز اُبھری "ہم آگ کی مخلوق ہیں۔ اگر کوئی مخلوق چاہے تو اپنے آپ کو اِتنا بلند بھی کر سکتی ہے کہ وہ ہم سے آگے نِکل جائے۔ جو انسان یہاں موجُود ہے، اُس پر کسی بُزرگ کی دُعا کا اثر ہے، اور یہاں میں بے بس ہُوں۔ کچھ نہیں کر سکتا۔"

مُورتی نے کہا "تو پھر جاؤ، اپنی دُنیا میں واپس چلے جاؤ اور کالکا سے کہتے جاؤ کہ آج اس کا شکار نہیں مل سکا۔"

سُرخ گولے نے کہا "میں غار کے باہر کسی جگہ

چھُپ کر بیٹھوں گا اور جب وہ انسان بزرگ کی دُعا کے اثر سے نکلا تو میں اُسے قابُو میں کرکے تُمھارے پاس لے آؤں گا۔"

سُرخ گولا چکّر لگاتا مُورتی کے سر کے اُوپر سے ہٹا اور غار سے باہر نِکل گیا۔ اب حاتم کو بزرگ کی دُعا کا اثر معلُوم ہُوا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ مُورتی، کالکا اور مُورتی کی رُوح یعنی سُرخ گولا حاتم کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ یہ بڑی اچھّی بات تھی۔ لیکن جب تک کالکا سو نہ جائے، حاتم اس کے قریب نہیں جا سکتا تھا۔ خواب میں بزرگ نے بھی اسے ہدایت کی تھی کہ جب تک کالکا سو نہ جائے وہ اس کے قریب بھی بھٹکنے کی کوشش نہ کرے۔ حاتم کو کالکا کے سونے کا اِنتظار کرنا تھا۔ اب بات دُوسری رات پر جا پڑی تھی۔ ہو سکتا ہے کل رات پھر یہی کھیل دُہرایا جائے۔ اس وقت رات کے تین بج رہے تھے۔

کالکا غار کے اندر اپنی کوٹھڑی میں جا چکی تھی۔ مُورتی پھر سے پتھّر بن گئی تھی۔ ہاں مُورتی کی بدرُوح یعنی سُرخ آگ کا چکّر کھاتا گولا غار کے باہر کسی

جھاڑی میں چھپا ہُوا تھا۔ حاتم خُدا سے دُعا مانگنے لگا کہ اِدھر کوئی بھُولا بھٹکا انسان نہ آئے۔ وہ غار سے باہر نکل آیا تاکہ غار کی طرف آنے والے راستے میں کسی جگہ آرام کرے اور اگر کوئی انسان اِدھر آئے تو اُسے وہیں روک دے۔ رات کا پچھلا پہر تھا۔ بارش نے جگہ جگہ کیچڑ کر رکھی تھی۔ حاتم نیچے اُترنے لگا۔ اُس نے سوچا کہ کیوں نہ اپنی جیپ میں جا کر آرام کرے۔ وہ اُترائی کے کچّے راستے پر ابھی دس قدم چلا تھا کہ اسے دو آدمیوں کے باتیں کرنے کی آواز آئی۔

طِلسمی انگوٹھی

حاتم نے چونک کر اندھیرے میں دیکھا۔
بادلوں نے رات کو اور زیادہ تاریک بنا رکھا تھا۔
اس بھیانک تاریکی میں دو انسانی سائے پہاڑی پر چڑھتے دِکھائی دیے۔ حاتم تیز تیز قدموں سے اُتر رہا تھا۔ وہ یہ معلُوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں، جو آدھی

رات کے وقت پہاڑ کے غار کی طرف جا رہے ہیں۔ وہ جھاڑیوں میں چھُپ گیا۔ دو آدمی اس کے قریب آ کر رُک گئے اور اُوپر دیکھنے لگے۔ ایک نے کہا:

"اُوپر ایک غار ہے۔ ہم اس غار میں اپنا مال چھُپا دیں گے اور جب مُعاملہ ٹھنڈا پڑ جائے گا تو آ کر لے جائیں گے۔"

دُوسرا آدمی بولا "کہیں کوئی ہمارا مال لے نہ جائے اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں۔"

پہلا آدمی بولا "گھبراتے کیوں ہو۔ غار کے اندر بُہت جگہ ہوگی۔ ہم کسی ایسی جگہ چھُپائیں گے کہ کسی کو پتا ہی نہ چل سکے گا۔"

حاتم سمجھ گیا کہ یہ دونوں ڈاکُو ہیں اور ڈاکا ڈالنے کے بعد اب اپنا مال چھُپانے اُوپر جا رہے ہیں۔ پہلے تو اُس نے سوچا کہ اُنھیں اُوپر جانے دے۔ ڈاکُوؤں کو اُن کی چوری کی سزا ضرور ملنی چاہیے۔ پھر سوچا کہ آخر انسان ہیں، ناحق مارے جائیں گے۔ میں بعد میں اُنھیں پولیس کے حوالے کر دُوں گا۔ یہ سوچ کر وہ اُن کے سامنے آ گیا۔

دونوں ڈاکو ڈر کر پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن جب اُنھوں

نے ایک اِنسان کو اپنے سامنے کھڑے دیکھا تو خنجر نکال لیے۔ حاتم نے کہا:

"میں تمھاری جان بچانے کے لیے آیا ہوں۔ یہاں چوری کا مال رکھ کر واپس چلے جاؤ۔ نہیں تو تم میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا۔"

ڈاکو طیش میں آ گئے اور اُنھوں نے حاتم پر خنجروں سے حملہ کر دیا۔ حاتم نے دونوں کو گردنوں سے پکڑ کر پرے پھینک دیا۔ وہ پھر حاتم پر حملہ کرنے کو بڑھے۔ عین اُس وقت اُوپر سے وہی آگ کا سُرخ گولا زبردست آواز کے ساتھ چکّر لگا کر نیچے آیا اور ڈاکوؤں کے سروں پر گردش کرنے لگا۔ اس کے اندر سے زرد اور سُرخ چنگاریاں پھُوٹ رہی تھیں۔ حاتم نے چلّا کر کہا:

"میرا ہاتھ پکڑ لو!"

مگر ڈاکو بہت خوف زدہ تھے۔ وہ اُوپر کو بھاگے۔ حاتم نے چھلانگ لگا کر ایک ڈاکو کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ حاتم کے ہاتھ میں جس ڈاکو کا ہاتھ آ جاتا اُسے آگ کا گولا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ یہی ہُوا۔ جس ڈاکو کو حاتم نے پکڑ رکھا تھا، وہ

بچ گیا۔ آگ کا گولا دُوسرے ڈاکُو کی طرف لپکا جو اُوپر بھاگا جا رہا تھا۔ گولا عین اُس کے اُوپر آ کر گرا اور اُسے اپنی لپیٹ میں لے کر اُوپر اُٹھا۔ ڈاکو چیخ رہا تھا، مگر اب اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ آگ کا گولا اسے اُٹھا کر سیدھا غار کے اندر داخل ہو گیا۔

اس کے بعد وہاں گہری خاموشی چھا گئی۔ حاتم کو معلُوم تھا کہ اب وہ ڈاکو کالکا کے پیٹ میں پہنچ گیا ہوگا۔ پہلا ڈاکو حاتم کے پاس سہما بیٹھا اس طرف پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا، جدھر آگ کا گولا اس کے ساتھی کو لے کر غائب ہُوا تھا۔ حاتم نے کہا:

"تم خوش قسمت ہو کہ بچ گئے۔ اگر تُمھارا ساتھی اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیتا تو وہ بھی بچ جاتا۔ مگر اُس کی قسمت میں ایسی ہی بھیانک موت لکھی تھی۔ تُم ہو تو ڈاکُو مگر ضرُور کسی وقت تُم نے کوئی نیک کام کیا ہے۔"

ڈاکو نے ہاتھ جوڑ دیے اور حاتم سے کہا "اے نیک دل انسان، میں نے کبھی اپنی خوشی

سے ڈاکا نہیں ڈالا۔ میرا دوست لوگوں کے گھر لوٹتا
تھا اور میں باہر کھڑا رہتا تھا۔ میں نے کئی بار اس
بُرے کام سے توبہ کی مگر میرا دوست مجھے ہر بار
کھینچ کر لے آتا تھا۔"

حاتم نے کہا "اُسے اُس کے گناہوں کی سزا مل
گئی۔ اب تم ایسا کرنا کہ یہ مال جہاں سے لائے
ہو، وہیں جا کر رکھ دینا۔"

ڈاکو بولا "میں پہلا کام یہی کروں گا اور آیندہ
نیک زندگی بسر کروں گا۔ مگر یہ بتاؤ کہ یہ راز
کیا ہے؟ یہ آگ کا گولا کیا تھا اور تمھارا ہاتھ
پکڑنے میں کیا راز ہے؟"

حاتم نے کہا "یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ اسے
تُم نہیں سمجھ سکو گے۔ اب اگر تُم اپنے دوست کا
انجام دیکھنا چاہتے ہو تو میرے ساتھ اُوپر آؤ۔"

ڈاکو سہما ہُوا تھا، کہنے لگا "اُوپر جاتے مجھے ڈر
لگتا ہے۔ کہیں وہ آگ کا گولا مجھے بھی نہ نگل لے۔"

حاتم نے کہا "جب تک تمھارا ہاتھ میرے ہاتھ
میں ہوگا، تمھیں کوئی کچھ نہیں کہ سکتا۔ لوٹ کے
مال کا یہ تھیلا مجھے پکڑا دو۔"

حاتم نے ڈاکو کا تھیلا اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور اسے ساتھ لے کر اُوپر غار کی طرف چل پڑا۔ غار میں اندھیرا تھا۔ سُرخ گولا اپنا کام کرکے جا چُکا تھا۔ جب وہ مُورتی کے چبُوترے کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ چبُوترے پر موم بتّی روشن ہے۔ چبُوترے کے آگے ڈاکو کی لاش کے گھسٹنے کے نشان تھے۔ اُس کے کپڑے بھی وہیں پڑے تھے۔ پہلا ڈاکو خوف سے کانپنے لگا۔ حاتم نے کہا:

" ظالم آدمی کا ایسا ہی انجام ہُوا کرتا ہے۔ اگر تم اس خوف ناک انجام سے بچنا چاہتے ہو تو آج ہی توبہ کرکے خدا کے حضُور وعدہ کرو کہ آیندہ سے نیک زندگی بسر کروگے۔"

ڈاکو نے کہا "میں نے عہد کر لیا ہے کہ اب نیک زندگی گزاروں گا۔ محنت مزدوری کرکے روزی کماؤں گا۔"

حاتم نے کہا "ٹھیک ہے۔ اب تم جاؤ۔ تُمھارا کام ختم ہو گیا ہے۔ میں تُمھیں تُمھارے بدکردار دوست کا انجام دکھانے یہاں لایا تھا۔"

ڈاکو نے پُوچھا "وہ گولا مجھے راستے میں تو نہیں

پکڑ لے گا؟"

"نہیں، وہ یہاں سے دُور، بہت دُور جا چکا ہے۔ جاؤ خدا تمھیں نیکی کی راہ پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔"

ڈاکو نے کہا "کیا تم میرے ساتھ نہیں چلوگے؟"

حاتم نے کہا "نہیں۔ میرا کام اب شروع ہونے والا ہے۔"

"تمھارا کون سا کام ہے؟" ڈاکو نے پُوچھا۔

حاتم بولا "یہ میں تمھیں نہیں بتا سکتا۔ بس اب دیر نہ کرو۔ مجھے ابھی بہت کام کرنا ہے۔"

ڈاکو نے حاتم کے ہاتھ چُوم کر سلام کیا اور غار سے نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد حاتم اُٹھا اور غار کے اندر اس طرف چل دیا جدھر سے کالکا آئی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ کالکا اپنا شکار ہڑپ کرنے کے بعد اب گہری نیند سو رہی ہوگی۔ طلسمی مُہرہ جیب سے نکال کر اُس نے مُٹھی میں تھام لیا تھا۔

غار آگے جا کر ایک طرف کو مُڑ گیا۔ یہاں اندھیرا گھُپ تھا۔ حاتم کو پہلے تو کچھ دکھائی نہ دیا پھر آہستہ آہستہ اُس کی آنکھیں اندھیرے کی خُوگر

ہو گئیں۔

غار آگے جا کر تنگ ہو گیا تھا اور اس میں ہر طرف پتّھر بکھرے ہُوئے تھے۔ تھوڑی دُور چلنے کے بعد حاتم کو دیوار پر انسانی ڈھانچے لٹکے ہُوئے دکھائی دیے۔ یہ ان بدنصیب انسانوں کے ڈھانچے تھے جو کالکا کی بھینٹ چڑھ گئے تھے۔

حاتم آگے بڑھا تو خرّاٹوں کی آواز آئی۔ یہ کالکا کے خرّاٹے تھے جو اپنا شکار کھانے کے بعد گہری نیند سو رہی تھی۔ اس کے سرہانے موم بتّی روشن تھی۔ اس کی مدّھم روشنی میں کالکا کا چہرہ بڑا بھیانک لگ رہا تھا۔

حاتم دبے پاؤں کالکا کے پاس گیا۔ بُوڑھے حبشی نے اُسے بتا دیا تھا کہ کالکا اپنا شکار کھانے کے بعد بے خبر سو جاتی ہے اور پھر چاہے اس کے پاس کوئی دھماکا بھی کر دے تو اُس کی آنکھ نہیں کھُلتی۔ غار میں عجیب قسم کی بُو پھیلی ہُوئی تھی۔ یہ بُو کالکا کے سانس کی تھی۔ حاتم نے دیکھا کہ کالکا کا مُنھ آدھا کھُلا ہُوا ہے۔ یہ بڑا اچھّا موقع تھا۔ وہ آگے بڑھا اور طلسمی مُہرہ کالکا

کے مُنہ میں ڈال دیا۔

طِلسمی مہُرہ کالکا کے مُنہ کے اندر گیا تو ایسی آواز آئی جیسے کوئی پتھّر کسی کنویں کی تہہ میں جا گرا ہو۔ اس کے ساتھ ہی کالکا کے حلق سے ایک بھیانک چیخ بلند ہُوئی۔ وہ اپنی جگہ سے تین فٹ اُوپر کو اُٹھ گئی اور پھر زور سے نیچے گری، اور یُوں ٹُوٹ پھُوٹ گئی جیسے کانچ کی بنی ہو۔ اس کے ٹکڑے غار میں بِکھر گئے۔ لیکن خوُن کا ایک قطرہ بھی نہ نکلا۔ حاتم نے ایک ٹکڑا اُٹھا کر دیکھا۔ وہ اس کے ہاتھ سے ریت کی طرح نیچے بہہ گیا۔

کالکا اور پاٹلی جادُوگر کا طِلسم ختم ہو چُکا تھا۔

غار میں کچھ دیر تک کسی عورت اور مرد کے کراہنے کی آوازیں آتی رہیں۔ حاتم سمجھ گیا کہ یہ دُوسری آواز پاٹلی جادُوگر کی تھی۔ ضرور دریائے سُرخ کے کنارے جنگل میں پاٹلی جادُوگر کا جسم بھی ٹُوٹ پھُوٹ کر ریت کے ذرّوں میں تبدیل ہو گیا ہوگا۔

موم بتّی بُجھ چُکی تھی۔ غار میں اندھیرا ہوگیا تھا۔

حاتم غار میں سے گزر کر مورتی کے چبوترے کے پاس آیا تو دیکھا کہ مورتی بھی نیچے گری پڑی ہے اور اس کے بھی کتنے ہی ٹکڑے ہو چکے ہیں۔ سب سے بڑا ٹکڑا مورتی کے سر کا تھا۔ حاتم نے مورتی کا سر اٹھا کر زور سے زمین پر دے مارا۔

اب حاتم غار سے باہر نکل آیا۔ صبح کی روشنی پھیل رہی تھی۔ درختوں پر پرندے چہچہا رہے تھے اور خدائے واحد کی حمد و ثنا کے گیت گا رہے تھے۔ حاتم کے دل میں خوشی کی لہر اٹھی اور اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔ وہ پہاڑی سے اتر کر نیچے اپنی جیپ میں آ گیا۔ جیپ میں بیٹھ کر اس نے واپسی کا سفر شروع کیا۔ وہ ایک بار پھر میدانوں، جنگلوں اور گھنے درختوں کے جھنڈوں میں سے گزرتا ہوا واپس سرخ دریا کے کنارے لال چٹانوں کی بستی میں پہنچ گیا۔

جب وہ بوڑھے حبشی کے گھر گیا تو اس نے اور اس کی بیٹی نے اسے خوش آمدید کہا اور بتایا کہ پاٹلی جادوگر مر چکا ہے اور اس کے جسم کے

ٹکڑے ریت میں مِل کر ریت ہو گئے ہیں۔ حاتم نے بُوڑھے حبشی کا شکریہ ادا کیا اور اسے اپنی ساری کہانی سُنائی کہ کس طرح وہ کالکا تک پہنچا اور طِلسمی مُہرہ اُس کے مُنھ میں ڈالنے میں کامیاب ہُوا۔ اُس نے کہا:

"کالکا کا جسم بھی ریت میں مل کر ریت ہو گیا تھا۔"

بُوڑھا بولا "تم نے بہت بڑا کارنامہ کیا ہے۔ اب سینگوگ کی رُوح آزاد ہو چُکی ہوگی۔ تم اس سے جنگل میں جا کر مُلاقات کر سکتے ہو۔"

حاتم نے پُوچھا "سینگوگ کی رُوح جنگل میں کس جگہ ملے گی؟"

بُوڑھا بولا "اس جگہ، جہاں وہ پاٹلی جادُوگر کے حُکم پر ظاہر ہُوا کرتی تھی۔ لیکن اب وہ تمھارے عمل پڑھنے پر آئے گی اور تم سے مل کر خُوش ہوگی۔ تم آج رات ہی جنگل میں پاٹلی جادُوگر کی جھونپڑی کے پیچھے انجیر کے باغ میں جا کر عمل پڑھو۔"

"کس قسم کا عمل پڑھوں؟" حاتم نے پُوچھا۔

"سینگوگ کی رُوح کا خیال دماغ میں لا کر اس سے

ملنے کی آرزو کرنا۔ وہ جلد ہی تمھارے پاس آ جائے گی، کیونکہ وہ تُم سے بہت خُوش ہے۔"

حاتم نے وہ دن بُوڑھے حبشی کے ہاں گزارا، اور جب رات گہری ہو گئی اور بستی کے سارے لوگ سو گئے تو گھر سے نکل کر جنگل میں پاٹلی جادُوگر کی جھونپڑی کے پیچھے انجیر کے باغ میں آ گیا۔ یہ جھونپڑی اب اُجڑ چکی تھی اور کوئی آدمی وہاں نہیں آتا تھا۔ جھونپڑی کی چھت اور دروازے کھڑکیاں تک لوگ اُکھاڑ کر لے گئے تھے۔ انجیر کا باغ بھی ویران تھا۔ حاتم ایک درخت کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

اُس نے سینگوگ کی رُوح کا خیال کیا اور اُس سے مِلنے کی خواہش کی۔ اس کے ساتھ ہی باغ کے اندھیرے میں درختوں کے نیچے نیلی روشنی کا ایک انسانی ہیولا نمُودار ہُوا جو آہستہ آہستہ بڑھتا ہُوا حاتم کے سامنے آ کر رُک گیا. پھر حاتم کو ہلکی سی آواز سُنائی دی:

"اے حاتم! میں سینگوگ کی رُوح ہُوں۔ میں تُم سے بہت خُوش ہُوں، کیونکہ تُم نے مجھے ایک

شیطان جادوگر کی قید سے آزاد کیا ہے۔ بتاؤ، تم نے مجھے کس لیے یاد کیا؟"

حاتم نے شارجہ کے بارے میں سینگوگ کی رُوح کو ساری بات بتائی۔ رُوح نے کہا:

"شارجہ بڑی اچھی لڑکی تھی۔ میں نے بچپن میں اُس کے بازو پر ایک تعویذ باندھا تھا۔ اُسی تعویذ نے اُسے بچا لیا۔ مگر وہ زندوں سے بدتر حالت میں ہے۔"

حاتم بولا "اسی لیے تو میں آپ کے پاس اِتنا لمبا سفر کرکے اور اتنی تکلیفیں اُٹھا کر آیا ہُوں۔"

سینگوگ کی رُوح کچھ دیر خاموش رہی۔ شاید کچھ سوچ رہی تھی۔ حاتم بھی خاموش بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر بعد رُوح نے کہا:

"تُم ایک بہادر انسان ہو۔ تُم نے ہمیشہ دُکھی اور مُصیبت کے ماروں کی مدد کی ہے۔ تُم اِس وقت بھی ایک دُکھی لڑکی کی مدد کرنے میرے پاس آئے ہو۔ میں تُمھارے اس جذبے کی قدر کرتا ہُوں۔ میں شارجہ کی ضرور مدد کروں گا۔ تُم کل اسی وقت یہاں آنا۔"

یہ کہہ کر رُوح غائب ہو گئی۔

حاتم واپس آ گیا اور بُوڑھے حبشی کو سارا واقعہ سُنایا۔ بوڑھا بولا:

"سینگوگ کی رُوح نے تم سے وعدہ کیا ہے تو کل ضرور آئے گی، اور تمھیں شارجہ کی مدد کے لیے کوئی طِلسم دے گی۔ تم کل ضرور جانا۔"

دُوسرے دن جب رات گہری ہُوئی اور چاروں طرف اندھیرا پھیل گیا تو حاتم انجیر کے باغ میں جا کر بیٹھ گیا۔ اُس نے دل میں سینگوگ کی رُوح سے ملنے کی خواہش کی تو گزشتہ رات کی طرح آج بھی اُس کی رُوح نمُودار ہُوئی اور آہستہ آہستہ ہوا میں کھِسکتی اُس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی:

"اے حاتم! تم خواہش نہ بھی کرتے تو میں ضرور تمھارے پاس آتا۔ اب میری بات غور سے سُنو۔"

حاتم نے کہا "اے سینگوگ! میں سُن رہا ہوں۔"

سینگوگ نے کہا "شارجہ مجھے اپنی بیٹی کی طرح عزیز تھی۔ میں نے اس کے بازو پر حفاظت کا تعویذ

باندھا تھا۔ اس تعویذ سے اُس کی جان تو بچ گئی مگر وہ زندگی اور موت کے درمیان لٹکی ہُوئی ہے۔ لیکن میرے بیٹے حاتم، شارجہ کی زندگی بچانا اب میرے اختیار میں نہیں۔"

یہ سُن کر حاتم کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ وہ تو اسی خیال سے، اتنی مصیبتیں اُٹھاتا، یہاں پہنچا تھا، اور اب سینگوگ کی رُوح نے بڑے آرام سے کہ دیا کہ وہ اس بارے میں کچھ نہیں کر سکتی۔

"یہ آپ کیا کہ رہے ہیں!" اُس نے بڑی مایوسی سے کہا۔

سینگوگ بولا" میں ٹھیک کہ رہا ہُوں، حاتم۔ لیکن میں تمھیں ایک راستہ بتاتا ہُوں۔ اس پر چل کر تم شارجہ کو اس مصیبت سے نجات دلا سکتے ہو۔"

حاتم نے پوچھا" وہ کون سا راستہ ہے؟"

رُوح نے کہا" افریقہ کے جُنوب میں جہاں یہ مُلک ختم ہوتا ہے اور آگے سمُندر آ جاتا ہے، وہاں ساحل سے دو سو میل دُور سمُندر میں آدم خوروں کا ایک جزیرہ ہے۔ اس جزیرے میں ایک غار ہے جس میں سے سونا نکلتا ہے۔ کئی گورے لوگ اس

جزیرے میں سونا نکالنے گئے اور آدم خوروں نے انھیں ہڑپ کر لیا۔

"اس سونے کی کان کے اندر ایک تہہ خانہ ہے، جس کی نشانی یہ ہے کہ اُس کے اُوپر ایک سُرخ یاقوت ہر وقت جگمگاتا رہتا ہے۔ اسی تہہ خانے میں ایک تابُوت کے اندر، ہزاروں سال سے ایک شہزادی کی لاش بند ہے۔ اگر تم کسی طرح اس لاش تک پہنچ جاؤ تو تمھیں اس کے سرہانے زُمُرّد کا انسانی پنجہ ملے گا۔ وہ پنجہ لے کر شارجہ کے پاس بغداد جاؤ اور اُس کے ماتھے پر رکھ دو۔ شارجہ خُدا کے حُکم سے تابُوت سے باہر آ جائے گی۔ یہ بڑا مُشکل کام ہے، مگر اس کے سوا دُوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔"

حاتم نے رُوح کی بات کو بڑے غور سے سُنا۔ اب اُسے ایک اور خطرناک اور لمبا سفر کرنا تھا۔ وہ پریشان ہو گیا اور اُس نے رُوح سے پُوچھا،

"کیا آپ کو یقین ہے کہ شارجہ کا اس کے سوا اور کوئی علاج نہیں ؟"

"نہیں، کیا تُم اس سفر سے ڈر گئے ہو ؟ فکر

نہ کرو۔ میں تمھیں ایک انگوٹھی دُوں گا۔ جب تم اُسے اُنگلی میں پہن لوگے تو دُوسروں کی آنکھوں سے غائب ہو جاؤ گے۔ تم سب کو دیکھ سکو گے مگر تمھیں کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔ لیکن ایک شرط ہے۔"

"وہ کیا؟" حاتم نے پُوچھا۔

سینگوگ کی رُوح نے کہا "وہ شرط یہ ہے کہ انگوٹھی پر پانی نہ گرنے پائے۔ انگوٹھی پانی میں بھیگ گئی تو تم ظاہر ہو جاؤ گے۔"

حاتم نے کہا "اگر یہ بات ہے تو میں اس کا خیال رکھوں گا اور انگوٹھی کو پانی سے بچاؤں گا۔"

"ایک بات اور۔ اس جزیرے میں ایک جادُوگر ہے۔ وہ تمھیں ہلاک تو نہیں کر سکے گا۔ البتہ بونا بنا کر مرتبان میں ضرور بند کر دے گا۔ اس سے بچ کر رہنا، کیونکہ اُس نے تمھیں دیکھ لیا تو تمھیں بونا بنا کر مرتبان میں بند کرنے کی ضرور کوشش کرے گا۔"

"میں اس سے بچ کر رہوں گا۔ لیکن اس کی نشانی کیا ہے؟"

"وہ جزیرے کا سب سے بڑا جادُوگر ہے اور اُس کی آنکھوں سے ہر وقت لال روشنی کی کرنیں

پھوٹتی رہتی ہیں۔"

اس کے بعد سینگوگ کی رُوح نے حاتم کو سیاہ پتّھر کی ایک انگوٹھی دی جس پر سُرخ یاقُوت جڑا ہُوا تھا۔

"یہ لو طلسمی انگوٹھی اور اسی وقت روانہ ہو جاؤ۔ تُم ایک بدقسمت لڑکی کی مدد کرنے نکلے ہو۔ خُدا تمھاری مدد کرے گا۔ خُدا حافظ۔"

سینگوگ کی رُوح غائب ہو گئی۔ نیلی روشنی کا ہیولا گُم ہو گیا۔ حاتم واپس بُوڑھے حبشی کے گھر آ گیا اور اسے رُوح کی کہی ہُوئی ساری باتیں بتا دیں، کیونکہ وہ بُوڑھے حبشی کو اپنا سچّا دوست اور ہمدرد سمجھتا تھا۔ بُوڑھے نے حاتم سے کہا:

"سینگوگ کی رُوح کبھی جھُوٹ نہیں بولے گی۔ وہ اب جادُو کے عذاب سے نکل چُکی ہے۔ تُم کل صُبح ہی اپنے نئے سفر پر روانہ ہو جاؤ۔"

لڑکی نے حاتم کے پاس انگوٹھی دیکھ کر پُوچھا "کیا اسے پہن کر انسان غائب ہو جاتا ہے؟"

حاتم نے کہا "دُوسرے کسی انسان کے بارے میں تو میں کچھ نہیں کہ سکتا، لیکن میں ضرُور غائب ہو جاؤں گا۔"

لڑکی نے بڑے شوق سے کہا "اسے پہن کر غائب ہو کے دکھاؤ۔"

حاتم نے انگوٹھی اپنی اُنگلی میں پہن لی۔ انگوٹھی کے پہنتے ہی وہ غائب ہو گیا، مگر ان کے درمیان ہی بیٹھا تھا۔ لڑکی حیرانی سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی اور بولی "حاتم بھائی، تم کہاں ہو؟"

حاتم بولا "میں تمھارے پاس بیٹھا ہوں۔ مگر تم مجھے نہ تو دیکھ سکتی ہو اور نہ میرے جسم کو چھو سکتی ہو۔ اچھا اب پانی لاؤ۔ میں ذرا اس انگوٹھی کی آزمائش کروں گا۔"

لڑکی پانی کا پیالہ لے آئی۔ حاتم نے پانی انگوٹھی پر ڈالا تو وہ ایک دم ظاہر ہو گیا۔ بوڑھے نے کہا: "میں نے تم سے کہا تھا نا کہ سینگوگ کی روح جھوٹ نہیں بولے گی۔ اب تم جب تک انگوٹھی خشک نہ کرو گے، اس کا طلسم واپس نہیں آئے گا۔"

حاتم نے انگوٹھی کو کپڑے سے خوب اچھی طرح رگڑ رگڑ کر خشک کیا۔ جب وہ سوکھ گئی تو حاتم نے اُسے دوبارہ پہن لیا اور وہ دوبارہ غائب ہو گیا۔ اُس نے انگوٹھی اتار کر جیب میں رکھ لی۔ اب

وہ ظاہر ہو چُکا تھا۔

اُس نے کہا "میں اب تھوڑا آرام کر لُوں۔ صُبح ہوتے ہی نِکل جاؤں گا۔"

وہ بستر پر لیٹتے ہی سو گیا۔ صُبح کو سُورج نکلا تو بُوڑھے نے اُسے جگا دیا۔

حاتم نے کہا "میں اپنی رائفل تمھیں تحفے میں دیتا ہُوں۔ میرے پاس ریوالور ہی بُہت ہے۔ میں یہاں سے ہوائی جہاز کے ذریعے افریقہ کے جنُوبی ساحل پر جاؤں گا۔"

اور حاتم تھوڑی دیر بعد ایک کِشتی میں سوار نیروبی کی طرف سفر کر رہا تھا، جہاں سے اُسے جنُوبی افریقہ کو جانے والے بوئنگ جہاز میں سوار ہونا تھا۔

حاتم کا بھُوت

نیروبی ایئرپورٹ سے جہاز جنوبی افریقہ روانہ ہُوا اور چند گھنٹے کی اُڑان کے بعد وہ جنوبی افریقہ کے ایک شہر میں جا اُترا۔ حاتم نے ایک ہوٹل میں رات بسر

کی اور صُبح ٹرین میں سوار ہو کر جنوبی ساحل کی طرف روانہ ہو گیا۔

ایک دن اور ایک رات کا سفر تھا۔ دن بھر ٹرین افریقہ کے جنوبی میدانوں اور جنگلوں میں دوڑتی رہی۔ حاتم فسٹ کلاس کے ڈبّے میں سفر کر رہا تھا۔ اس ڈبّے میں صرف دو نشستیں تھیں۔ ایک نشست پر حاتم اور دُوسری پر ایک بد دماغ انگریز شکاری بیٹھا تھا۔ اُس نے حاتم کو کالا آدمی سمجھ کر نفرت سے مُنھ پھیر لیا اور ٹرین کے گارڈ کو بُلا کر کہا کہ اس کالے کو میرے ڈبّے سے نکال کر کسی دُوسرے ڈبّے میں سوار کرا دو۔ مگر گارڈ یہ کہہ کر چلا گیا کہ کسی دُوسرے ڈبّے میں جگہ نہیں ہے۔ ایک بار حاتم نے پانی پینے کے لیے اُس انگریز سے گلاس مانگا تو اُس نے انکار کر دیا اور نفرت سے کہا:

"تم کالے گندے آدمی ہو۔ خبردار جو میرے گلاس کو ہاتھ بھی لگایا!"

جنوبی افریقہ میں گوروں کی حکومت ہے۔ گورے یورپی لوگ کالوں سے سخت نفرت کرتے ہیں اور اُنھیں گندے چُوہے سمجھ کر اپنے سے دُور رکھتے ہیں۔ وہ اُنھیں اپنے

باغوں، پارکوں ، بازاروں اور گھروں میں بھی نہیں آنے دیتے۔ حاتم نے انگریز سے کہا:

"تمھیں انسانوں سے نفرت نہیں کرنی چاہیے۔ سب انسان ایک ہی خُدا کے بندے ہیں"

انگریز نے غصّے سے اپنا پستول نکال لیا اور غرّا کر کہا:

"اگر تُم نے زیادہ بک بک کی تو میں گولی مار دُوں گا۔ میرے ڈبّے سے ابھی، اسی وقت نِکل جاؤ"

حاتم نے سوچا کہ اس بدتمیز جانور کو سبق سکھانا چاہیے۔ اُس نے مُسکرا کر کہا "اچھا جناب، مَیں چلا جاتا ہُوں۔ لیکن ذرا باتھ رُوم میں ہاتھ مُنہ دھو لُوں۔ بس دو تین منٹ لگیں گے"

یہ کہ کر حاتم غسُل خانے میں گھُس گیا۔ اُس نے جان بُوجھ کر اندر سے چٹخنی نہ لگائی۔ غسُل خانے میں جاتے ہی اُس نے جیب سے انگوٹھی نکال کر پہن لی۔ اب وہ غائب ہو گیا تھا۔

انگریز باہر پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ جب کافی دیر ہو گئی اور حاتم باہر نہ نکلا تو انگریز نے لات مار کر دروازہ کھول دیا اور گرج کر بولا:

"باہر نکل، گندے کالے آدمی۔"

لیکن غسل خانہ خالی تھا۔ پہلے تو انگریز حیران ہُوا کہ یہ کالا آدمی اندر ہی اندر کہاں چلا گیا! پھر غُسل خانے کی کھڑکی کو دیکھا جو اتّفاق سے کُھلی تھی۔ سمجھ گیا کہ اُس نے پستول سے ڈر کر کھڑکی میں سے چھلانگ لگا دی ہے۔ اُس نے پستول جیب میں رکھ لیا اور اپنی نشست پر آ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد اُس نے تھرماس میں سے چائے نکال کر پیالی میں ڈالی، بسکُٹ کی پلیٹ پاس رکھی اور بسکُٹ کھاتے ہُوئے کتاب پڑھنے لگا۔

سُورج غرُوب ہو چُکا تھا۔ ٹرین پُوری رفتار سے جنگلوں میں اُڑی جا رہی تھی۔ شام کے بعد جنگلوں میں رات کے سائے اُتر آئے۔ ڈبّے میں روشنی ہو رہی تھی۔ حاتم نے دیکھا کہ بد دماغ انگریز بڑے مزے سے بسکٹ چائے کے گھُونٹ کے ساتھ کھا رہا ہے۔ اُس کی نظریں کتاب پر جمی ہوئی تھیں۔

وہ غُسل خانے میں سے نِکل کر انگریز کے پاس آ کھڑا ہُوا تھا۔ اُس نے پیچھے سے بسکُٹ کی پلیٹ اُٹھا کر نیچے فرش پر رکھ دی۔ انگریز کا ہاتھ بسکُٹ کی پلیٹ کی طرف آیا تو پلیٹ غائب تھی۔ اُس نے چونک کر دیکھا۔ پلیٹ فرش

پر پڑی تھی۔ وہ بار بار آنکھیں جھپکنے اور پلیٹ کو تکنے لگا کہ یہ کس نے نیچے رکھ دی!

انگریز نے پلیٹ اُٹھا کر دوبارہ تپائی پر رکھی اور کتاب پڑھنے لگا۔ اس بار حاتم نے اُس کی کتاب کا ایک ورق اُلٹ دیا۔ اُس نے سوچا کہ شاید کھڑکی سے جو ہوا آرہی ہے اُس کی وجہ سے ایسا ہُوا ہے۔ اُس نے کھڑکی کا شیشہ چڑھا دیا۔ اب حاتم نے ہاتھ آگے بڑھا کر اُس کی ناک پر سے عینک اُتار کر میز پر رکھ دی۔ اب تو انگریز خوف سے اُچھل پڑا۔ وہ سمٹ کر پیچھے ہٹ گیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ یہ اس کی عینک کس نے اُتاری تھی؟ ڈبّا تو خالی تھا! اس کے سوا ڈبّے میں کوئی نہیں!

وہ سوچنے لگا کہ شاید یہ میرا وہم ہے اور عینک ٹرین کے جھٹکوں سے گر پڑی ہے۔ اس نے دوبارہ عینک لگائی اور کتاب کا مُطالعہ کرنے لگا۔ لیکن اندر سے وہ ہل گیا تھا۔ اس کے دل میں خوف کی لہریں اُٹھنے لگی تھیں۔ اُسے شک ہوگیا تھا کہ مُعاملہ کچھ گڑبڑ ہے اور ڈبّے میں ضرور کسی حبشی کی بد رُوح آ گئی ہے۔

حاتم نے اب ایک نئی شرارت کی۔ اُس نے بڑے سکون سے انگریز کی تھرماس تپائی پر سے اُٹھا لی۔ انگریز کی آنکھیں

کھُلی کی کھُلی رہ گئیں۔ اس نے دیکھا کہ تھرماس اپنے آپ میز پر سے اُٹھی، اُس کا ڈھکنا کھُلا، پھر ایک پیالی میز پر سے اُوپر اُٹھی، تھرماس جھُکی اور اس کے اندر سے چائے نکل کر پیالی میں گرنے لگی۔ جب پیالی چائے سے بھر گئی تو تھرماس کا منھ اُوپر کو ہو گیا اور اس کا ڈھکنا اپنے آپ منھ پر لگ گیا۔ پھر وہ خود بخود میز پر آ گئی۔ لیکن چائے کی پیالی ہوا میں ہی لٹکی ہوئی تھی!

انگریز کا رنگ خوف کے مارے سفید پڑ گیا تھا۔ اس کے باوجود وہ بڑے حوصلے سے اپنی جگہ جما بیٹھا رہا۔ اب چائے کی پیالی اُس کی طرف بڑھنے لگی۔ اُس کی ایک دم چیخ نکل گئی۔

"بھُوت!"

وہ بھُوت بھُوت چلّاتا ہُوا سیٹ سے اُٹھا اور ٹرین کی زنجیر کھینچ دی۔ ٹرین کو ایک دم بریک لگے اور وہ تھوڑی دُور جا کر رُک گئی۔ گارڈ اور ٹکٹ چیکر بھاگتے ہُوئے انگریز صاحب بہادُر کے ڈبّے میں آ گئے۔ اُنھوں نے دیکھا کہ صاحب بہادُر دیوار سے لگے خوف سے کانپ رہے ہیں، سر اور کپڑوں پر چائے گری ہُوئی ہے اور عینک کو رُومال سے پُونچھ رہے ہیں۔ گارڈ کو دیکھتے ہی انگریز نے چلّا کر کہا:

"بھوت! اس ڈبّے میں بھوت آ گیا ہے۔ میری سیٹ تبدیل کرو۔ جلدی۔ ابھی۔ میں اس ڈبّے میں سفر نہیں کر سکتا"

گارڈ نے دوسری سیٹ کی طرف دیکھ کر پوچھا "آپ کا ساتھی کہاں چلا گیا؟"

"جہنم میں۔ تم میری سیٹ تبدیل کرو۔"

"یس سر! یس سر! میرے ساتھ آئیے۔"

گارڈ اور ٹکٹ چیکر انگریز کو دوسرے ڈبّے میں لے گئے۔ اس کا سامان بھی اُدھر لا کر رکھ دیا گیا۔ حاتم بھی بد دماغ انگریز کے ساتھ ہی اسی ڈبّے میں آ گیا تھا۔ انجن نے سیٹی دی اور ٹرین دوبارہ آگے روانہ ہو گئی۔ انگریز نے نئے ڈبّے میں آ کر سب سے پہلے منہ ہاتھ دھویا، دوسرا سلیپنگ سوٹ پہنا اور بتّی بجھا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس نے ڈبّے کے دروازے کو اندر سے بند کر کے دونوں چٹخنیاں لگا دی تھیں۔ لیکن حاتم ایسی حالت میں تھا کہ اُسے بند دروازے بھی نہیں روک سکتے تھے اور یہاں تو وہ پہلے سے ہی ڈبّے کے اندر موجود تھا۔

اب حاتم کو ایک نئی شرارت سوجھی۔ وہ اُسے ایک سبق سکھانا چاہتا تھا اور جن کالے حبشیوں کو اُس نے تکلیف پہنچائی تھی، ان سب کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔

انگریز کا پستول اس کے تکیے کے نیچے رکھا تھا۔ حاتم نے ہاتھ بڑھایا اور پستول نیچے سے نکال لیا۔ انگریز نے جو کسی کا ہاتھ اپنے تکیے کے نیچے محسوس کیا تو ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا، بتّی روشن کی اور تکیہ اُٹھا کر دیکھا۔ تکیے کے نیچے سے پستول غائب تھا!

اس نے جھٹ پٹ بتّی جلائی تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کا اپنا پستول اس کے سامنے ہوا میں لٹکا ہُوا ہے اور نال کا رُخ اس کی جانب ہے۔ وہ وہیں بیٹھے کا بیٹھا رہ گیا۔ ہوش و حواس گُم ہونے لگے۔ سمجھ گیا کہ بھُوت اس ڈبّے میں بھی آ گیا ہے۔ اس کا رنگ زرد پڑ گیا اور خوف کے مارے بتیسی بجنے لگی۔ پھر بھی اس نے جان بچانے کی خاطر ایک آخری کوشش کی اور بستر سے اُچھل کر فرش پر آن گرا۔ مگر حاتم اب اُسے مُعاف کرنے کے مُوڈ میں نہ تھا۔ اس نے پستول اس کی کنپٹی سے لگا دیا اور بولا:

"میں وُہی کالا آدمی ہُوں جس کو تُم نے اپنے ڈبّے سے نکال دیا تھا۔"

انگریز خوف سے کانپ رہا تھا۔ بولا "تُم ۔ تُم بھُوت ہو؟"

حاتم نے ہنس کر کہا "میں ان تمام کالے لوگوں کی

بھٹکتی ہُوئی رُوحوں کا لیڈر بھُوت ہُوں جن کو تم انگریزوں نے تکلیفیں دے دے کر ہلاک کیا ہے۔ میں اس وقت تم سے ان سب بدنصیب کالوں کا بدلہ لُوں گا۔ اُٹھو، اور ڈبّے کا دروازہ کھول کر اس میں کھڑے ہو جاؤ۔"

انگریز آہستہ سے اُٹھا اور ڈبّے کے دروازے کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ گاڑی اس وقت ایک دریا کے پُل پر سے گزر رہی تھی۔

"دروازہ کھولو!" حاتم نے حُکم دیا۔

انگریز کو آگے بھی موت نظر آ رہی تھی اور پیچھے بھی۔ وہ جانتا تھا کہ بھُوت اُسے کیا حُکم دینے والا ہے۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔ تیز ہُوا کا تھپیڑا اسے لگا۔ گاڑی پُل پر سے گزر رہی تھی لیکن نیچے دریا کا پانی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

حاتم نے کہا "میں پانچ تک گنتی گنوں گا۔ اگر تُم نے چھلانگ نہ لگائی تو گولی چلا دُوں گا۔ پھر تمُھاری لاش ہی دریا میں گرے گی۔ ایک ــ دو ــ تین ــ"

انگریز نے سوچا کہ مر کر دریا میں گرنے سے بہتر ہے، زندہ چھلانگ لگا دوں۔ ہو سکتا ہے بچ جاؤں۔ جُوں ہی حاتم نے پانچ کہا وہ دروازے میں سے نیچے

کُود گیا۔ حاتم نے آگے بڑھ کر دیکھا اور پھر دروازہ بند کرکے زنجیر کھینچ دی۔

گاڑی ایک بار پھر رُک گئی۔ گارڈ بھاگا بھاگا ڈبّے میں آیا۔ اسے یقین تھا کہ انگریز کے ساتھ پھر بھُوت نے کوئی شرارت کی ہے۔ لیکن معلوم ہُوا کہ وہ تو غائب ہے۔ دریا پر روشنی ڈالی گئی تو وہ پانی میں تیرتا نظر آیا۔ وہ چِلّا چِلّا کر مدد کے لیے آوازیں دے رہا تھا۔ اسی وقت دریا میں رسّے ڈالے گئے اور بڑی مشکل سے انگریز کو کھینچ کر باہر نکالا گیا۔ اس نے باہر آتے ہی کہا:

"میں گارڈ کے ڈبّے میں سفر کروں گا"

حاتم وہیں کھڑا تھا۔ وہ بہت ہنسا۔ گاڑی ایک بار پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئی۔

دُوسرے روز دوپہر کے وقت حاتم جنوبی افریقہ کے ایک ساحلی شہر میں پہنچ گیا۔ اس شہر کی چھوٹی بندرگاہ سے جہاز دُوسرے مُلکوں کو مال لے کر جاتے تھے۔ جزیرے کی طرف کوئی جہاز یا سٹیمر نہیں جاتا تھا۔ اس جزیرے کا نام بھی لوگوں نے نہیں سُنا تھا۔ آخر حاتم نے اپنے طور پر وہاں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اُس نے جنوبی سمندروں کا ایک نقشہ خریدا۔ اس میں ایک جگہ کسی جزیرے کا ایک چھوٹا سا نشان بنا ہُوا تھا۔ یہی وہ جزیرہ تھا جہاں حاتم کو جانا تھا۔ کوئی کشتی یا

سٹیمر والا اتنی دُور ایک گُم نام جزیرے پر جانے کو تیّار نہیں ہوتا تھا۔

حاتم کے لیے بڑی مُشکل پیدا ہو گئی تھی۔ اُس نے نقشے میں دیکھا کہ جنوبی افریقہ سے آسٹریلیا کی طرف جو تجارتی جہاز سامان لے کر جاتے ہیں، وہ اس جزیرے کے قریب سے ہو کر گزُرے ہیں۔ اُس کے دماغ میں ایک ترکیب آئی۔ کیوں نہ وہ کسی تجارتی جہاز پر سوار ہو جائے اور جب جہاز جزیرے کے قریب سے ہو کر گزُرے تو وہ کشتی میں بیٹھ کر سمندر میں اُتر جائے اور اکیلا ہی جزیرے پر پہنچ جائے۔

یہ ترکیب اُسے پسند آئی۔ اُسے جہازوں کی کمپنی سے معلوم ہُوا کہ ایک جہاز، سامانِ تجارت لے کر، دو دن بعد آسٹریلیا روانہ ہونے والا ہے۔ بندر گاہ پر اُس جہاز پر سامان لادا جا رہا تھا۔ یہ ایک جاپانی جہاز تھا۔ اس میں کوئی مُسافر سفر نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ تجارتی جہازوں پر مُسافروں کو سفر کرنے کی اِجازت نہیں ہوتی۔

حاتم نے ایک جاپانی ملّاح سے بات بھی کی مگر اُس نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ وہ اُسے جہاز پر ساتھ لے جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ کیپٹن اسے نوکری سے نکال دے گا۔

اب حاتم نے ایک اور فیصلہ کیا۔ وہ طلسمی انگوٹھی پہن کر جہاز پر سفر کرے گا!

جس روز جہاز کو چلنا تھا، حاتم اُس روز صُبح ہی سے بندرگاہ پر پہنچ گیا اور اِدھر اُدھر چکّر لگانے لگا۔ جب دن کے ساڑھے آٹھ بجے تو جہاز نے پہلی سیٹی بجائی اس کے ساتھ ہی جہاز کا لوہے کا بھاری لنگر مشین نے اُوپر کھینچنا شروع کر دیا۔ حاتم ایک بڑے کھوکھے کی اوٹ میں آ گیا اور اس نے جیب سے انگوٹھی نکال کر پہن لی۔ وہ غائب ہو گیا تھا۔

وہ اسی حالت میں سیڑھیاں چڑھ کر جہاز کے اُوپر آ گیا۔ کافی بڑا جہاز تھا۔ عرشے پر سامان لدا ہُوا تھا۔ جاپانی ملّاح کام میں لگے ہُوئے تھے۔ تیسری سیٹی بجی تو جہاز کی سیڑھی اُٹھا لی گئی اور اِنجن چلا دیے گئے جہاز نے بندرگاہ سے ہٹنا شرُوع کیا۔ پھر اُس نے اپنا رُخ کھُلے سمُندر کی طرف کر لیا اور سفر پر روانہ ہو گیا۔

حاتم رات بسر کرنے کے لیے کوئی ٹھکانا تلاش کرنے لگا۔ جہاز کی تین منزلیں تھیں۔ نچلی منزل میں اِنجن لگے ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی مال گودام تھے

جو سامان سے بھرے ہُوئے تھے۔ دُوسری منزل میں ملاّحوں کے کیبن اور باورچی خانہ تھا۔ تیسری یعنی سب سے اُوپر والی منزل میں جہاز کے کپتان کا کیبن اور ریڈیو انجنیئروں کے کیبن تھے۔ حاتم کو دُوسری منزل میں ایک چھوٹا سا کیبن پسند آ گیا۔ اس میں آلو اور پیاز کی بوریاں بھی رکھی تھیں۔ جزیرے تک جہاز کا سفر تین دن کا تھا۔ حاتم نے اسی کیبن میں ڈیرا لگا لیا۔

جہاز کو سمندر میں سفر کرتے دو دن گزر گئے۔

تیسرے دن رات کے کھانے پر حاتم ملاّحوں کے باورچی خانے میں گیا۔ پہلے بھی اُس نے اسی جگہ بیٹھ کر کھانا کھایا تھا۔ وہ اپنی پسند کا کھانا اِدھر اُدھر سے اُڑا لیا کرتا اور پھر کسی کونے میں چھُپ کر کھا لیتا۔ آج بھی وہ کھانے کے کمرے کے کونے میں بیٹھا ملاّحوں کو دیکھ رہا تھا جو اپنا اپنا کھانا لے کر میزوں پر بیٹھ رہے تھے۔ حاتم بھی اُٹھ کر باورچی کے پاس گیا۔ وہ پلیٹوں میں گوشت کے تلے ہُوئے ٹکڑے رکھ رہا تھا۔

حاتم نے گوشت کے تین چار ٹکڑے اُٹھائے اور ساتھ ہی ڈبل روٹی بھی اُٹھا لی۔ وہ جس چیز کو غائب

کرنا چاہتا وہ غائب ہو جاتی تھی ۔ اُس نے پلیٹ میں گوشت کے ٹکڑے رکھ لیے اور کھانے لگا۔ اب اسے پیاس لگی۔ ایک ملاّح کے پاس پانی کا بھرا ہُوا گلاس رکھا تھا۔ اُس نے آگے بڑھ کر گلاس اُٹھا لیا۔ ملاّح نے دیکھا کہ اُس کا گلاس غائب ہو گیا ہے تو اُس نے سوچا کہ شاید اُس کے ساتھی نے لے لیا ہے۔ وہ اپنے ساتھی سے اُلجھ پڑا۔ دونوں میں لڑائی شرُوع ہو گئی۔ حاتم قریب کھڑا مُسکراتا رہا۔ پانی پی کر اُس نے خالی گلاس واپس میز پر رکھ دیا۔

ملاّحوں نے گلاس واپس آتے دیکھا تو حیران رہ گئے۔ حاتم نے گلاس دوبارہ اُٹھا لیا۔ اب تو ملاّح خوف زدہ ہو گئے اور اُٹھ کر گلاس تلاش کرنے لگے۔ حاتم نے گلاس میز پر رکھتے ہُوئے کہا "ہیلو! ہیلو! ہیلو!"

ملاّح چکرا گئے اور پھر بھُوت بھُوت کہہ کر باہر کو بھاگے۔ سارے جہاز میں شور مچ گیا۔ جہاز کا کپتان بھی وہاں آ گیا۔ اُس نے وہ میز دیکھی جہاں سے گلاس دوبار غائب ہُوا تھا اور پھر بھُوت کی ہیلو ہیلو کی آوازیں سنائی دی تھیں۔ کپتان نے کہا:

"جہازوں میں بھوت سفر نہیں کرتے۔ چلو، سب اپنی اپنی ڈیوٹی پر چلو۔"

حاتم اپنے کیبن میں آ کر لیٹ گیا۔ رات کو، دس بجے کے بعد، جہاز کا باورچی پیاز اور آلو لینے کیبن میں آیا۔ وہ صبح کے لیے آلو اُبالا کرتا تھا۔ حاتم کونے میں پڑا اُسے دیکھ رہا تھا۔ کیبن کی بتّی جل رہی تھی۔ باورچی نے ایک بوری کا مُنھ کھول کر تسلا آلوؤں سے بھرا اور بوری کا مُنھ بند کر رہا تھا کہ حاتم نے آہستہ سے کہا:

"ہیلو! ہیلو!"

باورچی کے ہاتھ وہیں کے وہیں رُک گئے۔ پھر وہ تسلا وہیں چھوڑ چیخیں مارتا ہُوا باہر نکل گیا۔ حاتم ہنسنے لگا۔ مگر تھوڑی ہی دیر بعد وہاں جہاز کا کپتان آ گیا۔ وہ سخت ناراض تھا۔ اُس نے اپنے سامنے آلو نکلوائے اور ملّاحوں کو بُرا بھلا کہتا چلا گیا۔ حاتم نے اب کوئی شرارت نہ کی، کیونکہ اب وہ بھی آرام کرنا چاہتا تھا۔

دُوسرے دن اُس کی آنکھ کُھلی تو اُس نے گھڑی دیکھی۔ دن کے نو بج رہے تھے۔ ملّاح ناشتا کر چُکے ہوں گے۔

وہ اُٹھ کر باورچی خانے میں آیا اور بے دھیانی میں ہاتھ مُنھ دھونے لگا۔ جُوں ہی اُس کی انگوٹھی گیلی ہُوئی، وہ ظاہر ہو گیا۔ اس وقت ایک جاپانی ملّاح اس کے قریب کھڑا مُنھ دھو رہا تھا۔ اُس نے ایک اجنبی کو ہاتھ دھوتے دیکھا تو حیرانی سے بولا:

"تُم کون ہو؟"

حاتم نے کہا "بھُوت، جہاز کا بھُوت۔"

ایک دم شور مچ گیا۔ بُہت سے ملّاح آ گئے اور اُنھوں نے حاتم کو پکڑ کر کپتان کے سامنے پیش کر دیا۔ کپتان بھی حیران ہُوا کہ یہ شخص جہاز پر کیسے سوار ہو گیا۔ حاتم سے پُوچھا گیا کہ وہ کون ہے اور جہاز پر کیسے سوار ہُوا تو اُس نے مُسکرا کر کہا:

"مسٹر کیپٹن، میں نے کہا نا کہ میں جہاز کا بھُوت ہُوں، انسان نہیں ہُوں۔"

کپتان نے غصّے سے کہا "بکواس بند کرو۔ تم اس وقت میرے جہاز پر ہو اور میں جو چاہے تمھارے ساتھ سلوک کر سکتا ہُوں۔ اگر تُم نے سچ سچ نہ بتایا کہ تم کون ہو اور جہاز پر کیسے سوار ہُوئے تو میں تمھیں سمندر میں پھنکوا دوں گا۔"

حاتم نے ہنستے ہوئے کہا "کیپٹن صاحب، آپ احمق ہیں جو میری بات کا یقین نہیں کر رہے۔ میں جہاز کا بھوت ہوں اور بھوت کسی کی اجازت لے کر جہاز پر سوار نہیں ہوا کرتے۔"

اس دوران میں حاتم رومال سے برابر اپنی گیلی انگوٹھی کو خشک کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ انگوٹھی آہستہ آہستہ خشک ہو رہی تھی۔ اُدھر کیپٹن کا پارہ بھی چڑھ رہا تھا۔ اس نے حکم دیا:

"اس گستاخ بھوت کو اُٹھا کر سمندر میں پھینک دو۔ یہی اس کی سزا ہے۔"

چار ملاح حاتم کی طرف بڑھے۔ حاتم نے دونوں ہاتھ اُوپر اُٹھا لیے اور ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا "میں تم کو بھسم کر دوں گا۔ میں غائب ہونے لگا ہوں۔ دیکھو! دیکھو!"

یہ کہ کر اُس نے اپنی انگوٹھی پر زور سے پھونک ماری۔ انگوٹھی اب خشک ہو چکی تھی۔ حاتم ایک دم غائب ہو گیا۔ ملاح اور کپتان ایک دُوسرے کا مُنھ تکنے لگے۔ یہ تو سچ مچ بھوت نِکلا! کیپٹن سوچنے لگا۔ پھر وہ پیچھے ہٹا اور بولا:

"ٹھیک ہے۔ اگر یہ شخص بھوت تھا تو ہُوا کرے۔ تم لوگ اپنی اپنی ڈیوٹی پر جاؤ۔"

حاتم نے کہا "کیپٹن صاحب، اب تو آپ کو یقین آ گیا کہ میں بھوت ہوں یا ابھی کوئی کسر باقی ہے؟"

کیپٹن ایک بہادر جاپانی تھا۔ اُس نے مُسکراتے ہُوئے کہا:

"مجھے یقین ہے کہ تم بھوت ہو۔ اب بتاؤ، تم مجھ سے کیا چاہتے ہو اور اس جہاز پر کس لیے سفر کر رہے ہو؟"

حاتم نے کہا "یہاں سے جنوب کی طرف، پچیس میل کے فاصلے پر، آدم خوروں کا ایک جزیرہ ہے۔ مجھے اس جزیرے پر اُتار کر آپ آگے چلے جانا۔"

کیپٹن نے ایک بڑا اچھا سوال کیا "تم کیسے بھوت ہو کہ ہماری مدد کے بغیر جزیرے پر نہیں پہنچ سکتے؟"

حاتم کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ اس نے غصّے سے کہا "اگر تم نے مجھے جزیرے پر نہ اُتارا تو میں جہاز کو آگ لگا دوں گا۔"

کیپٹن کو اپنا جہاز بچانا تھا۔ اُس نے کہا "ٹھیک ہے۔ میں تمھیں جزیرے پر اُتار دوں گا۔"

کیپٹن نے نقشے کو غور سے دیکھا۔ وہاں سے پندرہ میل میل جنوب میں ایک جزیرہ تھا۔ کیپٹن اس جزیرے کی طرف کبھی

نہیں گیا تھا، کیونکہ اُس نے سُن رکھا تھا کہ اس جزیرے میں آدم خور جنگلی رہتے ہیں۔ کوئی بھی اُدھر نہیں جاتا تھا۔ کیپٹن نے جہاز کا رُخ جزیرے کی طرف موڑ دیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی دُور سے جزیرے کے درخت نظر آنے لگے۔ کیپٹن جہاز کے عرشے پر کھڑا دُوربین سے درختوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا:

"مسٹر بھُوت، کیا تُم میرے ساتھ کھڑے ہو؟"

"جی ہاں" حاتم نے جواب دیا۔

"تو پھر سُنو۔ تُمھارا جزیرہ وہ سامنے ہے۔ لیکن ہم کنارے تک نہیں جا سکتے۔ ہمیں اس کی اِجازت نہیں ہے۔ اگر میں جہاز کو آگے لے گیا اور میری شکایت ہو گئی تو مجھے نوکری سے جواب مل جائے گا۔"

حاتم نے کہا "تم آگے مت جاؤ۔ میرے لیے کشتی سمندر میں اُتار دی جائے۔"

اور ایسا ہی کیا گیا۔ ایک کشتی رسّوں کے ذریعے سمندر میں اتار دی گئی۔ حاتم کشتی میں سوار ہو گیا۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ کشتی میں سوار ہُوا بھی ہے کہ نہیں۔ جب کشتی کے چپّو اپنے آپ چلنے لگے تو ملّاحوں نے خوش ہو کر نعرے لگائے۔ خوشی اُنھیں اس بات کی تھی کہ بھُوت ان کے جہاز سے چلا گیا تھا۔

حاتم کی کشتی جزیرے کی طرف جا رہی تھی۔ جزیرہ قریب آ رہا تھا۔ حاتم نے دیکھا کہ جزیرے کے ساحل پر ناریل کے جُھنڈ دُھوپ میں چمک رہے ہیں۔

کشتی سمندر کی لہروں پر بہتی آہستہ آہستہ جزیرے کے ساحل کے ساتھ جا کر لگ گئی۔ حاتم نے اُتر کر اُسے ریت کے اُوپر کھینچ لیا اور پھر بھُورے رنگ کی چھوٹی چھوٹی چٹانوں کے پیچھے چُھپا دیا۔ اب وہ ساحل کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ وہ طلسمی انگوٹھی پہنے ہُوئے تھا اور کسی کو دِکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ آدم خوروں کی بستی تلاش کرے اور جزیرے کے اُس جادُوگر کو دیکھے جس کی آنکھوں سے سُرخ شُعاعیں نکلتی ہیں۔

اچانک اُس نے دُور سے ایک کشتی اپنی طرف آتی دیکھی۔ یہ آدم خوروں کی کشتی تھی۔ اس میں تین آدم خور کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں نیزے تھے۔ دو آدم خور کشتی کو کنارے کی طرف لا رہے تھے۔ کنارے پر آکر وہ جنگل میں چل پڑے۔ حاتم بھی ان کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گیا۔

حاتم پر جزیرے میں کیا گزری؟

کیا وہ زمرد کا پنجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا؟

یہ آپ حاتم طائی کی اگلی قسط "حاتم طائی اسرائیل میں" میں پڑھیں گے۔

حاتم طائی زندہ ہو گیا!



دکھیوں کا ہمدرد

بے کسوں کا سہارا

اپنے وقت کا سب سے زیادہ سخی اور بہادر انسان

جو 1500 سال پہلے عرب میں فوت ہو گیا تھا

دوبارہ زندہ ہو گیا ہے!

آپ اِس کے حیرت انگیز اور جرأت و بہادری سے بھرپور کارنامے پڑھتے وقت —— ہر ہر سطر پر، اُچھل اُچھل پڑیں گے ——

وہ، اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر، ایک پاکستانی لڑکے کو بھارت کی قید سے چھڑاتا ہے، فلسطینی مجاہدوں کے ساتھ مل کر اسرائیل کے فوجی اڈے اُڑاتا ہے، لندن کے لوگوں کو ایک خوں خوار انسانی بھوت سے نجات دلاتا ہے۔

آپ کے جانے پہچانے ادیب **اے حمید** کے اس دِل چسپ اور حیرت انگیز **ناول** کے پانچ حصے چھپ چکے ہیں ——

- حاتم طائی لاہور میں
- حاتم طائی دِلّی میں
- حاتم طائی پیرس میں
- حاتم طائی لبنان میں
- حاتم طائی لندن میں



فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

لاہور - راولپنڈی - کراچی

ISBN:969 0 00264 3



Rs. 150.00